104

BKID 027

اسلامک اسٹڈیز

دوسرا پرچہ

عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں

برائے

بی اے

(سال اول - دوسرا سمسٹر)

نظامتِ فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

© مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

سلسلہ مطبوعات نمبر -

ISBN: ....

Edition: .....

ناشر : رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اشا :

کورس کوآرڈینیٹر

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ

اسلامک اسٹڈیز

نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

مصنفین

بلاک 1: خلافت بنو عباس

اکائی 1	:	پروفیسر عبدالمعز (سابق صدر شعبہ عربی، مانو)
اکائی 2	:	ڈاکٹر وارث متین مظہری (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)
اکائی 3	:	ڈاکٹر وارث متین مظہری (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی) ڈاکٹر محمد عرفان احمد (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو)
اکائی 4	:	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ)

بلاک 2: خاندانی حکومتیں

اکائی 5،6	:	محترمہ سیدہ آمنہ (سابقہ گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو)
اکائی 7	:	پروفیسر عبدالعلی (سابق صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ یونیورسٹی، علی گڑھ)
اکائی 8	:	پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین (پروفیسر شعبہ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

اسسٹنٹ ایڈیٹرز

1) صالح امین، استاذ اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو۔

2) ڈاکٹر محمد عرفان احمد، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو۔

لینگویج ایڈیٹرز

1) پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی، صدر شعبہ، اسلامک اسٹڈیز، مانو

2) ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ، کوآرڈینیٹر وایڈیٹر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

فہرست

اکائی نمبر	مضمون			صفحہ نمبر
	پیغام	:	وائس چانسلر	05
	پیش لفظ	:	ڈائرکٹر، ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز	06
	ڈائرکٹر کا پیغام	:	ڈائرکٹر، نظامتِ فاصلاتی تعلیم	07
	کورس کا تعارف	:	کورآرڈی نیٹر	08

بلاک 1: خلافت بنوعباس

اکائی:1	عباسی دور کے مشہور خلفا
اکائی:2	عباسی دور میں نقلی علوم کی ترقی
اکائی:3	عباسی دور میں عقلی علوم کی ترقی
اکائی:4	عباسی دور مملکت کا نظام اور سماجی و معاشی حالات

بلاک 2: خاندانی حکومتیں

اکائی:5	فاطمی حکومت کا قیام، استحکام اور زوال
اکائی:6	فاطمی دور میں علمی خدمات اور فن تعمیر
اکائی:7	مملوک حکومت کا اجمالی خاکہ
اکائی:8	ایران میں صفوی حکومت

پیغام

وائس چانسلر

وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اُردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے اِدارے کو حاصل نہیں ہے۔ اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل و اخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گرد و پیش اور ماحول کے مسائل ۔۔۔۔ وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر اِن اصناف کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے جس کا مظہر اُردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اسکولی سطح کی اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ چونکہ اُردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اُردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اِسی مقصد کے تحت ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں آیا ہے اور احقر کو اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اپنے قیام کے محض ایک سال کے اندر ہی یہ برگِ نو، ثمر آور ہو گیا ہے۔ اس کے ذمہ داران کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں نصابی اور ہم نصابی کتب کی اشاعت کے بعد اس کے ذمہ داران، اُردو عوام کے واسطے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر عام فہم کتابوں اور رسائل کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تاکہ ہم اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کر سکیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

خادمِ اوّل

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

پیش لفظ

ہندوستان میں اُردو ذریعہ تعلیم کی خاطر خواہ ترقی نہ ہو پانے کے اسباب میں ایک اہم سبب اُردو میں نصابی کتابوں کی کمی ہے۔اس کے متعدد دیگر عوامل بھی ہیں لیکن اُردو طلبہ کو نصابی اور معاون کتب نہ ملنے کی شکایت ہمیشہ رہی ہے۔ 1998ء میں جب مرکزی حکومت کی طرف سے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو اعلیٰ سطح پر کتابوں کی کمی کا احساس شدید ہوگیا۔اعلیٰ تعلیمی سطح پر صرف نصابی کتابوں کی نہیں بلکہ حوالہ جاتی اور مختلف مضامین کی بنیادی نوعیت کی کتابوں کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔ فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت چونکہ طلبا کو نصابی مواد کی فراہمی ضروری ہے لہٰذا اُردو یونیورسٹی نے مختلف طریقوں سے اُردو میں مواد کا نظم کیا۔ کچھ مواد یہاں بھی تیار کیا گیا مگر علمی کتابوں کی منظم اور مستقل اشاعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا جاسکا۔

موجودہ شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اُردو کتابوں کی اشاعت کے تعلق سے انقلاب آفریں فیصلہ کرتے ہوئے ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں لایا۔اس ڈائرکٹوریٹ میں بڑے پیمانے پر نصابی اور دیگر علمی کتب کی تیاری کا کام جاری ہے۔کوشش یہ کی جارہی ہے کہ تمام کورسز کی کتابیں متعلقہ مضامین کے ماہرین سے راست طور پر اُردو میں ہی لکھوائی جائیں۔اہم اور معروف کتابوں کے تراجم کی جانب بھی پیش قدمی کی گئی ہے۔توقع ہے کہ مذکورہ ڈائرکٹوریٹ ملک میں اشاعتی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز ثابت ہوگا۔اب تک یہاں سے چار درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور توقع ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی یہاں سے کثیر تعداد میں اُردو کتابیں شائع ہوں گی۔

زیر نظر کتاب فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت بی اے سال اول کے طلبا کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے روایتی طریقہ تعلیم کے طلبا بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ کتاب کی تیاری میں حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ طلبا یہاں جن موضوعات کا مطالعہ کریں ان پر انہیں بھرپور اور مکمل مواد دستیاب ہو جائے۔

یہ اعتراف ضروری ہے کہ حالیہ عرصے میں جو بھی کتابیں شائع کی جارہی ہیں ان میں شیخ الجامعہ کی راست سرپرستی اور نگرانی شامل ہے۔اُن کی خصوصی دلچسپی کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ نظامت فاصلاتی تعلیم اور شعبہ عربی کے اساتذہ اور عہدیداران کا بھی عملی تعاون شاملِ حال رہا ہے جس کے لیے اُن کا شکریہ بھی واجب ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اور ماہرین اپنے مشوروں سے نوازیں گے۔

پروفیسر محمد ظفرالدین
ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

ڈائرکٹر کا پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم سارے عالم میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور چہار سو اس طریقے سے بڑی تعداد میں لوگ تعلیم اور اسناد سے بہرہ ور ہو رہے ہیں ۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں سے ہی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طریقے کو اختیار کیا تھا۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اِس یونیورسٹی نے روایتی طریقۂ تعلیم سے پہلے فاصلاتی طریقے سے تعلیم کو اُردو عوام تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے پہل یہاں کے تدریسی پروگراموں کے لیے بعض دوسری یونیورسٹیوں کے نصابی مواد سے من وعن اور بذریعہ ترجمہ استفادہ کیا گیا۔ اِرادہ یہ تھا کہ بہت تیزی سے اپنا نصابی مواد تیار ہوجائے گا اور بتدریج دوسری یونیورسٹیوں پر سے انحصار ختم ہوجائے گا۔ لیکن جب نصابی مواد کی تیاری کا سلسلہ شروع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ یہ اتنا آسان کام نہیں۔ قدم قدم پر مسائل پیش آئے اور مختلف النوع اُلجھنوں نے رفتار کو سست کردیا۔ مگر کوششیں جاری رہیں اور نتیجے کے طور پر اب بہت تیزی سے یونیورسٹی نے اپنے نصابی مواد کی اشاعت شروع کردی ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم (ڈی ڈی ای) ، مانو نے طلبا کی سہولت کے لیے ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے جس میں 9 علاقائی مراکز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکتہ، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور 5 ذیلی علاقائی مراکز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی) شامل ہیں ۔ ہر علاقائی/ ذیلی علاقائی مرکز (Regional Centre/Sub Regional Centre) فاصلاتی تعلیم کے طلبا کو "Learner Support Centre" کے ذریعے تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتا ہے۔ سال 18-2017 میں، نظامت فاصلاتی تعلیم میں علاقائی/ ذیلی علاقائی مرکز کے ذریعے 158 ''Learner Support Centres'' چلائے جا رہے تھے۔ اپنے آپ کو جدید تر بنانے اور فاصلاتی طلبا کی سہولت کے لیے معیار میں اضافہ کرنے کی خاطر ڈی ڈی ای نے یو جی اور نئے ایم اے پروگراموں کے لیے 'انتخاب پر مبنی کریڈٹ سسٹم' (Choice Based Credit System-CBCS) متعارف کیا ہے۔ ڈی ڈی ای نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کردیا ہے۔ اب ڈی ڈی ای کے تمام پروگراموں کے لیے داخلے صرف آن لائن طریقے سے دیے جا رہے ہیں۔

کسی بھی وقت، کہیں بھی اکتسابی ماحول فراہم کرنے کے لیے یونیورسٹی کا 'انسٹرکشنل میڈیا سنٹر' ویڈیو لکچرز تیار کررہا ہے جو یوٹیوب چینل http://youtube.com/u/imcmanuu پر دستیاب ہیں۔ اب یونیورسٹی نے اپنی ویب سائٹ کے ذریعے طلبا کو اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کرنے کا آغاز کردیا ہے۔ ڈی ڈی ای اور طلبا کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جارہی ہے جس کے ذریعے طلبا کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات (Assignments)، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

فی الحال نظامتِ فاصلاتی تعلیم میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلائے جا رہے ہیں۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز (Skill Based Courses) بھی شروع کیے جائیں گے۔ اپنی کاوشوں کے ذریعے ڈی ڈی ای نارساؤں تک رسائی کی بھرپور کوشش کررہی ہے۔ امید ہے کہ سماج کے تعلیمی، معاشی اور ثقافتی اعتبار سے پچھڑے طبقات کو مرکزی دھارے میں لانے میں ڈی ڈی ای' مانو کا بھی نمایاں کردار رہے گا۔

پروفیسر ابوالکلام

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لئے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبا کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبا کے لیے دوران تعلیم دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبا وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ کورس اور ایم اے کے دو سالہ کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامیات، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامیات کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعہ تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامیات کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامیات کے طلبا وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو روایتی تعلیم کے سمسٹر سسٹم اور فاصلاتی تعلیم کے سالانہ نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کر سکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت خلاصہ بحث اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی اے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ سال اول کے اس دوسرے پرچہ کا عنوان ''عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں'' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سال اول کے سمسٹر دوم کے لیے ہے۔ اس میں کل آٹھ اکائیاں ہیں جن کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں عباسی حکومت اور اس دور کی مشہور خاندانی حکومتوں پر تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

واللہ الموفق

پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی
صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ (الازہری)
کوآرڈینیٹر وایڈیٹر، اسلامک اسٹڈیز،
نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں

بلاک 1 : خلافت بنو عباس

اکائی 1 : عباسی دور کے مشہور خلفا

اکائی کی ساخت

1.1 تمہید

1.2 مقصد

1.3 عباسی حکومت کا قیام

1.4 ابوالعباس السفاح

1.5 ابوجعفر منصور

1.6 محمد المھدی

1.7 ہارون الرشید

1.8 مامون الرشید

1.9 معتصم ومتوکل

1.10 اکتسابی نتائج

1.11 نمونۂ امتحانی سوالات

1.12 تجویز کردہ کتابیں

1.1 تمہید

اس اکائی میں عباسی دور کا اجمالی تعارف کرایا جائے گا۔ اس دور کے مشہور خلفاء کے احوال کا تذکرہ ہوگا اور ان کے نمایاں اوصاف بیان کیے جائیں گے۔ نیز اس دور کی علمی فتوحات کا جائزہ لیا جائے گا۔ ساتھ ہی ان امور کو پیش کیا جائے گا جن کی بدولت عباسی حکومت دنیا کی سب سے بڑی اور خوش حال مملکت سمجھی جاتی تھی۔

1.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبا اسلامی عہد کے زریں باب عہد عباسی کے مشہور خلفا کی سیرت، ان کے اوصاف، طرز حکومت نیز ان کے اہم کارناموں سے واقفیت حاصل کرسکیں گے۔

1.3 عباسی حکومت کا قیام

عباسی حکومت کا قیام اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد 132ہجری/750 عیسوی میں ہوا۔ جس تحریک نے اموی حکومت کا تختہ پلٹ

دیا، وہ عباسی تحریک کہلاتی ہے۔ شیعان علی نے بنوامیہ کی حکومت کو کبھی بھی دل سے تسلیم نہیں کیا تھا؛ چنانچہ انہوں نے خفیہ طور پر علوی خاندان کی امامت کا سلسلہ جاری رکھا۔ سانحہ کربلا کے بعد اہل بیت میں صرف امام زین العابدین ہی زندہ بچے، جنہوں نے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا پسند نہیں فرمایا۔ شیعان علی کی سیاسی سرگرمیوں کی قیادت محمد بن حنفیہ نے کی، ان کے بعد ابو ہاشم عبداللہ اس تحریک کے قائد بنے۔ امام ابو ہاشم کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی، اس لیے انہوں نے اپنے حقوق حضرت عباس کے پوتے علی بن عبداللہ کو سونپ دیئے، اس طرح سے یہ منصب بنو ہاشم کے بجائے بنی عباس میں منتقل ہو گیا۔ علی بن عبداللہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے محمد بن علی نے اس تحریک کی قیادت کو سنبھالا۔ محمد بن علی کے دور میں اس تحریک کو بہت طاقت وقوت حاصل ہوئی، انہوں نے اپنے مبلغوں اور نقیبوں کی ایک باضابطہ جماعت تشکیل دی، جس نے بنو امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے خفیہ طور پر اہل بیت کی خلافت کی بیعت لینی شروع کر دی اور احتیاط یہ برتی کہ کسی خاص امام کا نام نہ لیا؛ تاکہ شیعان علی ان کے ساتھ رہیں۔ اس تحریک کو کوفہ اور خراسان میں خوب فروغ ملا، ابتدا میں بیعت وتبلیغ کا یہ سلسلہ محض زبانی رہا۔ داعی اور مبلغ سوداگروں کے بھیس میں خفیہ طور پر اس دعوت کی اشاعت کرتے رہے۔ محمد بن علی کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے امام ابراہیم جانشین ہوئے اور تحریک کی قیادت کی۔ امام ابراہیم نے ابومسلم خراسانی کو اپنی ساری جماعت کا امیر مقرر کر کے اپنے پیروکاروں کو ہدایت دی کہ وہ اس کی ہر طرح سے اطاعت کریں۔ عباسی تحریک کے سب سے بڑے داعی اور تنظیم کار ابومسلم خراسانی نے خراسان میں اس تحریک کو خوب فروغ دیا اور اس تحریک کو ایک فوجی طاقت بنا دیا۔ اسی دوران اموی خلیفہ مروان ثانی کو یہ راز معلوم ہوا کہ اس تحریک کی قیادت امام ابراہیم کر رہے ہیں؛ چنانچہ مروان ثانی نے امام ابراہیم کو گرفتار کر لیا اور بعد میں مروا ڈالا۔ امام ابراہیم نے اپنے بھائی ابوالعباس کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ابو العباس اپنے آبائی مقام قصبہ حمیمہ کی رہائش ترک کر کے اپنے اہل وعیال کے ساتھ کوفہ آ کر مقیم ہو گئے۔ ابومسلم خراسانی، ابوسلمٰی خلال اور دوسرے حامیوں کی مدد سے آخر کار عراق پر قبضہ کر لیا۔ ربیع الاول 132 ہجری میں ابوالعباس کی خلافت کی علی الاعلان بیعت لی گئ، اس کے بعد ابوالعباس نے ذی الحجہ 132 ہجری میں بنوامیہ کے آخری خلیفہ مروان ثانی کا قتل کرا کے بنی عباس کی مستقل خلافت کی بنیاد رکھی۔

عباسی دور کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ السفاح ہے، جس کی خلافت کی مدت چار برس رہی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا پڑپوتا تھا۔ اس کا سلسلۂ نسب عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے۔ عبداللہ نام ہے اور ابوالعباس کنیت ہے۔ اس کی پیدائش بلقا کے علاقے میں 107 ہجری میں ہوئی اور وہیں پلا بڑھا۔ وہ اپنے بھائی ابوجعفر منصور سے جو دوسرا عباسی خلیفہ ہے عمر میں چھوٹا تھا۔ اس کا زیادہ تر وقت مخالفین کو زیر کرنے اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنے میں گزرا، جس کے لیے اس کو بڑی خوں ریزیاں کرنی پڑیں، جس کی وجہ سے ''السفاح'' یعنی خوں ریز اس کا لقب پڑ گیا۔ ابوالعباس السفاح ایک طرف امویوں پر اپنی سختیوں اور ظلم وزیادتی کے لیے مشہور ہے تو دوسری طرف وہ فیاضی، جودوسخا، احساس ذمہ داری، لگن وجستجو اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ لہو ولعب اور عیش وعشرت سے اسے دلی نفرت تھی۔ شعروادب اور موسیقی سے اسے بڑا لگاؤ تھا۔

اموی خلفا کے ہاں وزیر کا کوئی عہدہ نہیں تھا۔ سفاح نے سب سے پہلے اس عہدہ کو قائم کیا اور مشہور جرنیل ابوسلمہ خلال کو اپنا پہلا وزیراعظم مقرر کیا۔ بعد میں مشہور خراسانی خالد بن برمک کو وزیراعظم بنایا جو سیاسی بصیرت اور عقل و دانش کے لحاظ سے یکتائے روزگار

تھا۔سفاح نے امویوں کے پایۂ تخت دمشق کو چھوڑ کر اپنے لیے پہلے تو کوفہ کو پایۂ تخت بنایا۔لیکن کچھ دنوں بعد اسے غیر محفوظ سمجھ کر انبار کے قریب ایک نیا شہر ہاشمیہ کے نام سے آباد کر کے اسے دارالخلافہ قرار دیا۔اس نے صوبوں کو از سر نو تشکیل دیا اور اپنے رشتہ داروں اور با اعتماد و اہل وفاداروں کو ان کی گورنری عطا کی۔ابوالعباس السفاح چار سال اور چند ماہ حکومت کر کے 136 ھ میں چیچک میں مبتلا ہو کر فوت ہوا۔

ابوالعباس سفاح کی قائم کی ہوئی یہ حکومت 132 ہجری سے 656 ہجری تک قائم رہی۔مؤرخین نے اس طویل مدت کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے، ہر دور سیاسی اور معاشی اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔

پہلا دور 132 ہجری سے شروع ہو کر 247 ہجری تک پھیلا ہوا ہے۔اس دور میں بنی عباس کے پہلے دس خلفا کا عہد شامل ہے۔ یہ حکمراں دور اندیش، غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک اور عظیم مدبر تھے۔اس مدت میں تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ یہ عباسی خلافت کے استحکام اور عروج کا زمانہ تھا۔اس دور میں عجمی اثر ورسوخ کو بھی فروغ ملا۔خلیفہ معتصم باللہ نے فوج میں ترکوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ترکوں کا اثر ورسوخ بڑھ گیا، اور وہ طاقتور بن گئے۔

دوسرا دور 247 ہجری سے شروع ہو کر 200 سالوں تک جاری رہا۔ یہ انحطاط کا دور ہے، اس میں خلفا عموماً کمزور رہے اور سلطنت کے تمام کام امیر الامرا کی مرضی ومنشا کے مطابق ہوتا تھا۔اس کے بعد دیلم کے بنو بویہ سیاہ وسفید کے مالک بن گئے، پھر 447 ہجری میں سلجوقیوں نے بغداد میں داخل ہو کر دیلمی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

تیسرا دور سلجوقی غلبے کا دور ہے۔اس زمانے میں خلیفہ کی حیثیت برائے نام تھی۔ اقتدار کی اصل باگ ڈور سلجوقی ترکوں کے ہاتھ میں تھی۔ بالآخر 656 ھ مطابق 1258ء میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا، بغداد میں قتل عام اور خون ریزی کی، اور بغداد کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر کے بنی عباس کی حکومت کا مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

عباسی دور ملکی فتوحات کا زمانہ نہیں تھا۔یعنی انھوں نے ان علاقوں میں کسی اور علاقے کا اضافہ نہیں کیا جو اموی خلفا نے بزور حاصل کیے تھے بلکہ ان میں سے کچھ علاقوں کو کھو دیا جیسے اندلس۔تاہم یہ دور علم وادب، تہذیب وتمدن کا دور تھا جس میں توسیع مملکت کے بجائے مملکت کے استحکام اور انتظام وانصرام پر ساری توجہ صرف کی گئی جس کے نتیجہ میں یہ دور علوم وفنون کی ترقی، امن وامان کے فروغ اور دولت وثروت کی فراوانی کے سبب تاریخ اسلام کا زریں دور کہلایا۔

اس عہد کی ایک اہم خصوصیت یہ رہی کہ عباسی حکومت کے انتظامی امور میں صرف عرب ہی نہیں رہے جیسا کہ ہم اموی دور میں دیکھتے ہیں، بلکہ ان کے ساتھ دیگر عجمی اقوام جیسے ایرانی، ترکی، بربر وغیرہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔اس طرح یہ خالص عربی حکومت نہیں تھی بلکہ مختلف عناصر کا حسین امتزاج تھی جس نے طب، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ اور علم ہیئت اور فلسفہ کے ماہرین پیدا کیے۔اس دور میں علوم وفنون کی ترویج و ترقی کے تمام اسباب مہیا ہو گئے تھے۔ یوں تو علم تفسیر وحدیث میں تصنیف وتالیف کا کام اموی دور کے آخری زمانے میں شروع ہو چکا تھا لیکن ان علوم کی تدوین وترتیب عہد عباسی میں ہوئی، باضابطہ اصول مدون کیے گئے اور انھیں فنی شکل دی گئی۔فقہی مسالک بالخصوص حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفری اور زیدی مسلک اسی دور میں مدون ہوئے۔اور ان کے اصول وضوابط وضع کیے گئے۔

عباسی دور کا ابتدائی زمانہ (یعنی پہلے سو برس) علمی فتوحات کے لیے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ بالخصوص ابوجعفر منصور، ہارون الرشید اور

مامون الرشید کا زمانہ جس میں علمی ترقیات اور امن وامان کا دور دورہ تھا۔ رعایا کی فلاح و بہبود کا خاطر خواہ خیال رکھا گیا تھا اور حقیقت میں یہ ایک رفاہی مملکت بن گئی تھی۔ تجارت اور صنعت وحرفت کو بڑا فروغ ہوا جس کے باعث ملک میں خوش حالی عام ہوگئی تھی۔ چور اُچکے بڑی مشکل سے نظر آتے تھے۔ دوسری جانب ہزاروں مفید ونایاب کتابوں کا جو طب، ریاضی، فلسفہ، علم ہیئت سے متعلق تھیں' سریانی، یونانی، فارسی اور سنسکرت سے عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور بہت سی گراں قدر کتابیں تصنیف بھی کی گئیں۔ الغرض مذہبی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے اس دور کو تاریخ اسلام میں نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ مذہبی رواداری، امن وامان، رعایا کی خوش حالی اور فارغ البالی اس دور کا طرۂ امتیاز ہے۔

عباسی خاندان کم وبیش پانچ سو برس خلافت پر فائز رہا۔ اس دوران کئی انقلابات رونما ہوئے اور عباسی خلفا کے قوت واقتدار میں کمی و زیادتی ہوتی رہی، تاہم مجموعی طور پر اس خاندان کی مرکزی حیثیت قائم رہی۔ مملکت کے دیگر حکمراں عباسی خلیفہ کی وفاداری کا اعتراف کرتے اور جمعہ وعیدین کے خطبوں میں ان ہی کا نام لیتے تھے۔

1.4 ابوالعباس السفاح 132-136 ہجری مطابق 749-753 عیسوی

عباسی دور کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ السفاح ہے، جس کی خلافت کی مدت چار برس رہی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا پڑپوتا تھا۔ اس کا سلسلۂ نسب عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے۔ عبداللہ نام ہے اور ابوالعباس کنیت ہے۔ اس کی پیدائش بلقا کے علاقے میں 107 ہجری میں ہوئی اور وہیں پلا بڑھا۔ اپنے بھائی ابوجعفر منصور سے جو دوسرا عباسی خلیفہ ہے عمر میں چھوٹا تھا۔ اس کا زیادہ تر وقت مخالفین کو زیر کرنے اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنے میں گزرا، جس کے لیے اس کو بڑی خوں ریزیاں کرنی پڑیں جس کی وجہ سے ''السفاح'' یعنی خوں ریز اس کا لقب پڑ گیا۔

ابوالعباس السفاح ایک طرف امویوں پر اپنی سختیوں اور ظلم وزیادتی کے لیے مشہور ہے تو دوسری طرف وہ فیاضی، جودوسخا، احساس ذمہ داری، لگن وجستجو اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی لیے شہرت رکھتا ہے۔ لہو ولعب اور عیش وعشرت سے اسے دلی نفرت تھی۔ شعروادب اور موسیقی سے اسے بڑا لگاؤ تھا۔

اموی خلفا کے ہاں وزیر کا کوئی عہدہ نہیں تھا۔ سفاح نے سب سے پہلے اس عہدہ کو قائم کیا اور مشہور جرنیل ابوسلمہ خلال کو اپنا پہلا وزیر اعظم مقرر کیا۔ بعد میں مشہور خراسانی خالد بن برمک کو وزیر اعظم بنایا جو سیاسی بصیرت اور عقل ودانش کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھا۔

سفاح نے امویوں کے پایۂ تخت دمشق کو چھوڑ کر اپنے لیے پہلے تو کوفہ کو پایۂ تخت بنایا۔ لیکن کچھ دنوں بعد اسے غیر محفوظ سمجھ کر انبار کے قریب ایک نیا شہر ہاشمیہ کے نام سے آباد کر کے اسے دارالخلافہ قرار دیا۔ اس نے صوبوں کو ازسرنو تشکیل دیا اور اپنے رشتہ داروں اور بااعتماد و اہل وفاداروں کو ان کی گورنری عطا کی۔

ابوالعباس السفاح چار سال اور چند ماہ حکومت کر کے 136 ھ میں چیچک میں مبتلا ہو کر فوت ہوا۔ مرنے سے پہلے اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کے حق میں ولی عہدی کا وصیت نامہ لکھ کر ایک کپڑے میں لپیٹا اور اس پر اہل بیت کی مہریں لگا کر اسے عیسیٰ بن موسیٰ کے سپرد کر دیا، چوں کہ اس وقت ابوجعفر منصور پایۂ تخت میں موجود نہیں تھا۔

1.5 ابوجعفر منصور 136-158 ہجری مطابق 753-774 عیسوی

ابوالعباس سفاح کی موت کے وقت ابوجعفر منصور موجود نہیں تھا۔ اس لیے سفاح نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کے حق میں ولی عہدی کا وصیت نامہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر اور اس پر اہل بیت کی مہریں لگا کر عیسیٰ بن موسیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وصیت کے مطابق سفاح کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر منصور منصب خلافت پر فائز ہوا۔ عباسی خلافت کی بنیاد گو کہ السفاح کے زمانے میں رکھی گئی تھی لیکن ابوجعفر منصور نے اس کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم کیا اور اس کی عمارت کو با قاعدہ اصولوں پر قائم کیا۔ اسی وجہ سے اسے عباسی خلافت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس نے اپنی بے نظیر سیاسی سوجھ بوجھ، دوراندیشی اور اعلیٰ تدبر کے باعث عباسی خلافت کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ وہ پانچ سو برسوں تک قائم رہ سکی۔

ابوجعفر منصور کی پیدائش 95ھ میں ہوئی اور وہ 136ھ میں خلیفہ بنا۔ 22 سال تک حکومت کرتا رہا۔ اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ علم و ادب حاصل کرنے میں گزارا۔ بڑے بڑے اہلِ علم کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا عہد خلافت علمی ترقی کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتا ہے۔ بنوامیہ کے دور میں تصنیف و تالیف کا کام چیدہ چیدہ طور پر ہوا تھا۔ لیکن منصور کے دور میں یہ باقاعدگی کے ساتھ ہوا۔ وہ خود ایک بڑا عالم تھا اور اسے اشاعت علم سے دل چسپی تھی۔ اس کے دربار میں علما اور ماہرین کا مجمع رہتا۔ اس کے زمانے میں طب، ریاضی، فلسفہ اور علم ہیئت کی کتابوں کو سریانی، یونانی، فارسی اور سنسکرت سے عربی میں منتقل کیا گیا۔

ابوجعفر منصور نے مختلف بغاوتوں اور شورشوں پر کامیابی کے ساتھ قابو پایا اور اس کی حکومت سوائے اندلس کے ان تمام علاقوں پر قائم ہوگئی جو امویوں کے زیر نگیں تھے۔ منصور بڑا ہی بارعب، عظیم مدبر اور انصاف پسند تھا۔ ایک طرف وہ مخالفین کے ساتھ سختی کرتا تو دوسری طرف رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرتا تھا۔ وہ اپنی سلطنت کے امور سے شخصی طور پر باخبر تھا اور اس پر پوری توجہ صرف کرتا۔ اس کا معمول تھا کہ وہ صبح سے سہ پہر تک خلافت کے امور کو پورا کرتا۔ عصر کی نماز کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ وقت گذارتا۔ عشا کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے عاملوں اور گورنروں کے خطوط پڑھتا پھر سو جاتا۔ اگلے دن صبح اُٹھ کر مسجد میں فجر کی نماز ادا کرتا اور پھر دربار خلافت جا کر حسب معمول حکومت کے کاروبار میں مشغول ہو جاتا۔ صوبائی گورنروں اور دیگر ماتحت عملہ کی کارگذاری سے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ ہر وقت آگاہ رہتا اور جب کوئی افسر خاطی قرار پایا جاتا تو اسے فوراً معزول کر دیتا۔ بیت المال کے حساب و کتاب پر کڑی نگرانی رکھتا تھا۔ خود بھی بڑا ہی کفایت شعار تھا۔ اپنے انتقال سے پہلے اس نے اپنے لڑکے مہدی کو جو وصیت کی تھی اس میں اس نے لکھا تھا کہ اس کے خزانے میں اتنی دولت ہے کہ اگر دس سال تک ایک پیسہ بھی اس میں جمع نہ کیا جائے تب بھی وہ اس سارے عرصہ میں فوج اور دیگر سرکاری ملازمین کی تنخواہیں دینے اور دیگر اخراجات کے لیے کافی ہوگی۔ اس نے یہ اعلان کروایا تھا کہ جس شخص کو کسی گورنر یا حاکم سے تکلیف پہنچے تو وہ بلا روک ٹوک اس سے شکایت کر سکتا ہے۔ منصور خود سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی ایک باندی نے اسے پیوند لگا ہوا کپڑا پہنے دیکھ کر کہا: خلیفہ اور پیوند لگا ہوا کُرتا ؟! اس کے جواب میں منصور نے کہا: انسان اس حالت میں عزت پالیتا ہے جب کہ اس کی چادر پرانی ہوتی ہے اور اس کی قمیص میں پیوند لگا ہوتا ہے۔

منصور پایۂ تخت ''ہاشمیہ'' کو بدلنا چاہتا تھا کیوں کہ وہ اسے غیر محفوظ سمجھتا تھا۔ بڑے غور وخوض کے بعد اس نے دریائے دجلہ کے کنارے بغداد کے قدیم قصبے کے قریب ایک جگہ کا انتخاب کیا اور بغداد شہر قائم کر کے اسے اپنا پایۂ تخت بنایا اور اس کا نام مدینۃ السلام رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ بغداد نوشیرواں عادل کا گرمائی پایۂ تخت تھا۔ چوں کہ وہ عدل و انصاف کے لیے مشہور تھا اس لیے اس شہر کا نام ''باغ داد'' پڑ گیا جو بعد میں

بغداد ہوگیا۔منصور نے اس کی بنیاد 140ھ میں رکھی اور نو (9) سال کی مدت میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔اس دن سے بغداد عباسی خلفا کا پایۂ تخت رہا۔بغداد کے وسط میں جامع مسجد تھی جس سے متصل خلیفہ کا محل تعمیر کیا گیا تھا۔شہر میں پانی کی فراہمی کے لیے ایک نہر دجلہ سے اور دوسری فرات سے نکالی گئی تھی جس کی وجہ سے پانی کی اتنی فراوانی ہوگئی کہ ہر گھر میں نالی کے ذریعہ صاف وشفاف پانی پہنچایا جاتا تھا۔اس محل کے علاوہ منصور نے دجلہ کے کنارے ایک محل جس کا نام خُلد ہے' تیار کیا تھا۔اس کے ساتھ باغات بھی لگوائے گئے۔شہر کی حفاظت کے پیش نظر اس کے اطراف ایک نہایت ہی مضبوط فصیل بنائی گئی جس کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔

منصور کے زمانے میں تجارت کو خوب فروغ حاصل ہوا،صنعت وحرفت کو بھی ترقی دی گئی۔جس کی وجہ سے رعایا بہت خوش حال ہوگئی۔ اشیا نہایت سستی ہوگئیں، چناں چہ ایک مینڈھا ایک درہم میں ملتا تھا۔اسی طرح ایک درہم میں پانچ سیر شہد اور چھ سیر گھی فروخت ہوتا تھا۔ یہ عالی ہمت، بیدار مغز اور بے مثال مدبر خلیفہ 158ھ میں جب کہ وہ حج کے لیے سفر کررہا تھا بطن کے مقام پر جو مکہ سے تین چار میل دور ہے بیمار پڑا اور وہیں انتقال کر گیا۔

1.6 محمد المھدی 158-169 ہجری مطابق 774-785 عیسوی

ابوجعفر منصور نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے محمد کو ولی عہد نامزد کردیا تھا جس کا لقب المھدی ہے۔مہدی کی پیدائش 127ھ میں ہوئی اور 158ھ میں والد کی وفات کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوا۔مھدی اپنے والد کے برخلاف نہایت فیاض اور بے حد رحم دل تھا۔خوب صورت اور خوب سیرت تھا۔راسخ العقیدہ مسلمان تھا جس کا اثر اس کی زندگی پر نمایاں معلوم ہوتا ہے۔

خلیفہ بنتے ہی اس نے ان تمام لوگوں کو جو منصور کے دور میں ظلم وستم کا نشانہ بنے تھے' معاف کردیا اور زور وزبردستی سے جو اموال اور زمینیں حاصل کی گئی تھیں' انھیں واپس لوٹا دیا۔مظالم کی روک تھام، قتل وخوں ریزی سے اجتناب، عدل وانصاف، سخاوت اور عفوودرگزر کی وجہ سے وہ اپنی رعایا کا ہر دل عزیز خلیفہ ہوگیا۔

مھدی کا زمانۂ خلافت انصاف رسانی اور انسانی مساوات کا مظہر ہے۔عدالت میں قاضی کے سامنے عام آدمی کی طرح خود بھی پیش ہوتا تھا اور ان کی جانب سے صادر ہونے والے فیصلوں کا بہت احترام کرتا تھا، اگرچہ کہ وہ خلیفہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی نے ایک جائیداد کے بارے میں خلیفہ کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کردیا۔قاضی نے مقدمہ کی سماعت کے بعد اس شخص کے حق میں فیصلہ جاری کردیا۔اس فیصلہ کو سنتے ہی مھدی نے جائیداد اس کے حوالے کردی اور قاضی کے فیصلہ کا بُرا نہیں مانا۔

انسانی مساوات اور برابری کو برقرار رکھنے اور آقا وغلام کی تمیز کو مٹانے کے لیے اس نے کئی قابل تعریف اقدامات کیے۔پیش رو خلفا نے مسجدوں میں عام لوگوں سے نمایاں رہنے کے لیے اپنے لیے مقصورے (Cabins) بنائے تھے۔مھدی نے ان سب کو اُکھڑوا دیا اور فرمان جاری کیا کہ اس طرح کے امتیازات روا نہ رکھے جائیں۔اسی طرح اموی خلفا نے اپنی شان وشوکت کے اظہار کے لیے مساجد میں اونچے اونچے منبر بنا رکھے تھے' مھدی نے ان کو ہٹا دیا اور ان کی جگہ نئے منبر رکھوائے جو رسول اللہ ﷺ کے منبر کے برابر تھے۔

خلیفہ مھدی پرتکلف زندگی کا دل دادہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا عابد، حلیم الطبع اور خوش گفتار تھا۔مذہب کے لیے اس کے دل میں بڑا احترام تھا۔شریعت کے خلاف کسی بات کو برداشت نہیں کرتا تھا۔زندیقوں اور ملحدوں کی اس نے بڑی سرکوبی کی۔ان کے رد میں اس نے کئی

کتابیں تصنیف کروائیں۔

مھدی کی سخاوت کا حال یہ تھا کہ خلیفہ منصور نے جو شاہی خزانے بھرے ہوئے چھوڑے تھے وہ چند ہی برسوں میں خالی ہو گئے۔ اور ایک دن شاہی خزانے کے نگراں نے چابیاں لا کر خلیفہ کے سامنے ڈال دیں اور کہا کہ خالی خزانے کو چابیوں کی کیا ضرورت ہے۔

مھدی کی خلافت کا دس سالہ دور امن و امان کا دور رہا۔ اس نے اپنی ساری توجہ رفاہی کاموں اور رعایا کی دیکھ بھال میں لگا دی۔ اس نے سہولت کی خاطر ہر محکمے کے لیے الگ الگ نگراں مقرر کیے۔ اس سے پہلے کئی انتظامی محکمے ایک ہی افسر کے تحت ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے مکہ، مدینہ، یمن اور بغداد کے درمیان ڈاک کا سلسلہ شروع کیا جو تیز رفتار اونٹوں اور خچروں کے ذریعہ ان علاقوں میں پہنچائی جاتی تھی۔ جذامیوں کے لیے بیت المال سے وظیفے مقرر کیے، اسی طرح قیدیوں کے اہل وعیال کے لیے بھی جن کے گزر اوقات کی کوئی صورت نہیں تھی' وظائف جاری کیے۔ مکہ جانے والے تمام راستوں کو اس نے درست کروایا اور قافلوں کے قیام کے لیے جا بجا سرائیں تعمیر کروائیں۔ کنویں کھدوائے اور قافلوں کے جانوروں کے لیے حوض بنوائے جو پانی سے ہر وقت بھرے رہتے۔ مھدی کا ایک اور اہم کارنامہ حرمین شریفین کی توسیع ہے۔

مھدی کے دور میں بھی رومیوں سے لڑائی جاری رہی اور ایک مرتبہ تو مسلم فوجیں روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ تک پہنچ گئی تھیں جس کے بعد رومی حکومت نے خلیفہ کو سالانہ خراج دینے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔

مھدی کا انتقال دورانِ سفر ماسبذان کے مقام پر محرم 169 ھ میں ہوا۔ اس نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے لڑکے ہادی اور دوسرے لڑکے ہارون کو یکے بعد دیگرے ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔

1.7 ہارون الرشید 170-193 ہجری مطابق 786-808 عیسوی

منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی تخت نشین ہوا، اور دس سال حکومت کر کے 169 ھ مطابق 785ء میں وفات پائی، اس کے بعد حسب وصیت مہدی کا بڑا لڑکا ہادی تخت خلافت پر بیٹھا لیکن صرف سوا سال کی حکومت کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ چناں چہ اس کے بعد اس کا بھائی ہارون الرشید 170 ھ میں خلیفہ بنا جب کہ اس کی عمر صرف 22 سال تھی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ 14/ ربیع الاول اتوار کی شب 170 ھ کو خلیفہ ہادی کی وفات ہوئی اور اسی رات ہارون الرشید خلیفہ منتخب ہوا اور اسی رات میں اگلا خلیفہ مامون پیدا ہوا۔

ہارون الرشید کی پیدائش 148 ھ میں بمقام ''رے'' ہوئی، ماں کا نام خیزران تھا۔ مھدی نے اپنے لڑکوں کی تعلیم و تربیت کا بہت عمدہ انتظام کیا تھا۔ اور یحییٰ بن خالد برمکی کو ہارون کا اتالیق مقرر کیا تھا جس نے اس کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ یہی وہ اتالیق تھا کہ جب ہادی نے ہارون کو معزول کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد نامزد کرنے کی کوشش کی تو اس نے ہادی کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے نہیں دیا۔ صلہ کے طور پر ہارون الرشید نے خلافت پاتے ہی یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر لیا۔

عباسی خلفا میں سب سے مشہور خلیفہ ہارون الرشید ہے اور اس کا دور عہد عباسی کا زریں دور کہلاتا ہے جس میں بغداد اپنے کمال شباب کو پہنچ چکا تھا۔ فراغت اور خوش حالی عام تھی اور علم وفن کا ہر گھر میں چرچا تھا۔ اسلامی سلطنت سیاسی' معاشرتی، تمدنی اور علمی اعتبار سے اپنے عروج پر تھی۔ دولت وثروت، علم و ادب اور شان وشوکت کے لحاظ سے دنیا کی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ ہارون الرشید کی علم دوستی اور علماء کی

سرپرستی کی وجہ سے بغداد میں ہر علم وفن کے ماہرین اور باکمال اصحاب جمع ہو گئے تھے جس کے باعث بغداد شہر مرجع خلائق بن چکا تھا۔

ہارون ایک صاحب علم، خدا ترس، بیدار مغز اور مدبر حکمراں تھا۔ اس نے سلطنت کے مروجہ نظم ونسق میں بہت سی اصلاحات کیں، تمام شعبوں کو ازسرنو مرتب کیا اور ان میں پائی جانے والی خامیوں کو دور کیا، نیز بہت سے نئے شعبے قائم کیے۔ بددیانت عمال کو معزول کیا اور دیانت دار اور ذمہ دار افسروں کو مقرر کیا۔ خراج ومحصول کی وصولی میں اب تک جو زیادتیاں کی جاتی تھیں اس نے ان کو ختم کیا اور تمام غیر شرعی ٹیکسوں کو یک قلم منسوخ کر دیا جس کی وجہ سے سلطنت نہایت مستحکم، خوش حال اور ترقی یافتہ ہوگئی۔ ہارون الرشید اپنی رعایا کا حال جاننے کی خاطر رات کو بھیس بدل کر بغداد کے گلی کوچوں میں چکر لگاتا، محتاجوں اور ناداروں کا پتہ لگا کر ان کے لیے روزینے مقرر کرتا اور پریشان حال لوگوں کے دکھ درد کو دور کرتا۔ اس کے عہد میں بغداد دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور متمدن شہر سمجھا جاتا تھا۔ شہر کی اونچی اونچی عمارتیں اور عالی شان محلات کو دیکھ کر سیاح دنگ رہ جاتے تھے۔ قصرِ خلافت کی عمارت فن تعمیر کا ایک بے نظیر نمونہ تھی۔ دجلہ کے دونوں کناروں پر خوش نما باغات اور سیرگاہیں شہر کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیتی تھیں' مساجد کی پرشکوہ اور شان دار عمارتیں دیکھنے سے تعلق رکھتیں۔

ہارون الرشید کے دور میں خوش حالی اور ترقی کا ایک ذریعہ آزاد اور محفوظ تجارت تھی۔ بری اور بحری راستوں سے تجارتی سامان آتا جاتا تھا۔ ہندوستان، چین، افریقہ، شام اور دنیا کے دوسرے ممالک سے تاجروں کے قافلے مختلف اشیا لے کر آتے اور یہاں کی مصنوعات و پیداوار ان ملکوں کو لے جاتے تھے۔ حکومت کی طرف سے قافلوں کے آرام وآسائش اور ان کی حفاظت کے وسیع تر انتظامات کیے گئے تھے، چوری چکاری اور رہزنی کا کوئی خوف نہ تھا بلکہ ڈاکو اور لٹیرے مشکل ہی سے دکھائی دیتے تھے۔ شاہراہوں اور قافلے کی گزرگاہوں پر جگہ جگہ سرائیں تعمیر کی گئی تھیں جا بجا کنویں کھدوائے گئے اور حوض بنوائے گئے تھے۔ الغرض یہ کہ تجارت کو فروغ دینے کے لیے خلیفہ بذات خود کوشاں رہتا اور تجار کی سہولتوں کا بطور خاص خیال رکھتا تھا۔

مال و دولت کی خزانہ میں کوئی کمی نہ تھی۔ سلطنت کے اخراجات وضع کرنے کے بعد بھی سرکاری خزانہ میں ہر سال چالیس کروڑ درہم جمع ہوتے۔ بیت المال کی نگرانی اور دیکھ بھال دیانت دار افسروں کے ذمہ ہوتی۔ ہارون علم دوست خلیفہ تھا اور علما و ماہرین فن کی خوب سرپرستی کرتا۔ ان پر بے دریغ خرچ کرتا تھا' انھیں بیش بہا عطیات دیتا اور ان کی عزت افزائی کی خاطر دربار میں انھیں اپنے برابر بٹھاتا۔ علم اور علما کی قدردانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے کونے کونے سے اہل علم اور باکمال اصحاب فن بغداد کی طرف کھنچ کر آنے لگے جس کی وجہ سے بغداد علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ بن گیا۔ اس زمانے میں کوئی بھی شخص اس وقت تک علم وادب میں کامل تصور نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ وہ بغداد سے سند حاصل نہ کر لے۔

ہارون الرشید کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی رہا کہ اس نے علوم وفنون کے ترجمہ کے اس کام کو جسے منصور نے اپنے زمانے میں شروع کیا تھا ایک باقاعدہ شکل دے دی۔ اور ایک مستقل ادارہ قائم کیا جس کا نام بیت الحکمت رکھا۔ اس میں مختلف زبانوں کے ماہرین اور علوم وفنون کی شہرہ آفاق ہستیوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دے کر ملازم رکھا۔ جنھوں نے پوری تن دہی اور لگن سے علوم وفنون کے عظیم سرمایہ کو دیگر زبانوں سے عربی میں منتقل کیا اور کئی کتابیں بھی تصنیف کیں۔

خلیفہ ہارون الرشید بڑا ہی خدا ترس تھا۔ وہ علما کی صحبت اختیار کرتا اور بعض جید علما وزہاد سے ملاقات کے لیے وہ خود جاتا۔ اہل علم سے

اپنے لیے نصیحت کی درخواست کرتا۔ وعظ ونصیحت کا اس کے دل پر گہرا اثر ہوتا اور کبھی کبھی اس پر رقت طاری ہوجاتی اور آنکھ سے آنسو بہنے لگتے۔ ہارون الرشید کو جہاد کا بڑا شوق تھا اور شہادت کی تمنا رکھتا تھا۔ چناں چہ ایک سال وہ حج کرتا تھا اور ایک سال جہاد کے لیے نکلتا۔ جس سال حج کو جاتا تو ایک سو علما کو اپنے ساتھ لے جاتا اور جس سال حج کو نہیں جاتا تو تین سو علما کو حج کے لیے روانہ کرتا اور ان کے مصارف خود برداشت کرتا۔ ہارون کے دور میں کچھ بغاوتیں ہوئیں جن کو اس نے بڑی آسانی سے ختم کر دیا۔ اس کے زمانے میں رومیوں کے ساتھ بہت سے معرکے پیش آئے۔ جن میں مسلمانوں کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ رومی سلطنت کا خاصا حصہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں آ گیا بلکہ اسلامی فوجیں قسطنطنیہ کے قریب تک پہنچ چکی تھیں لیکن رومی بادشاہ نیسی فورس نے خلیفہ سے خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔

ہارون الرشید کی وفات 193 ھ میں ہوئی۔ وہ ایک بغاوت فرو کرنے کے لیے جا رہا تھا کہ طوس کے مقام پر بیمار پڑا اور وہیں انتقال کر گیا۔ اس نے اپنی زندگی میں اپنے تینوں لڑکے امین، مامون اور مؤتمن کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔

1.8 مامون الرشید 198-218 ہجری مطابق 813-833 عیسوی

ہارون کی وفات کے بعد اس کا لڑکا جس کا نام محمد اور لقب امین تھا خلیفہ بنا۔ اس نے کم وبیش پانچ سال حکومت کی۔ اس کا یہ دور حکومت افراتفری کا دور رہا۔ کیوں کہ وہ لہوولعب میں مشغول رہا کرتا اور سلطنت کے انتظامات کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ بالآخر وہ 198 ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا دوسرا بھائی جس کا نام عبداللہ اور لقب مامون تھا 198 ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

مامون کی پیدائش 14 / ربیع الاول 170 ھ میں اس شب کو ہوئی جس میں ہادی کا انتقال ہوا اور ہارون الرشید خلیفہ بنا۔ ماں کا نام مراجل تھا جو ہارون الرشید کی باندی تھی۔ اس کی پیدائش کے کچھ ہفتوں بعد ہی ماں کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا ہارون نے اس کی پرورش اور تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ مبذول کر رکھی تھی۔ چھوٹی عمر میں ہی اسے عربی کے مشہور علما کسائی، فرا اور یزیدی کی شاگردی میں دے دیا تھا۔ بارہ برس کی عمر میں جب اس کی ذہانت اور خداداد صلاحیت کے جوہر کھلنے لگے تو جعفر برمکی کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ ویسے تو ہارون الرشید نے امین و مامون دونوں کی عمدہ تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا تھا۔ امام مالک کے ہاں مؤطا کا درس لینے کے لیے ان دونوں کو مدینہ منورہ لے گیا اور ان سے فیض حاصل کیا لیکن اس تعلیم وتربیت کا جو اثر مامون پر ہوا وہ امین پر نہ ہوا۔

مامون حافظ قرآن اور جید عالم تھا۔ فصاحت کلام اور برجستہ گوئی میں اس کو کمال حاصل تھا۔ وہ اپنے بھائی امین سے عمر میں کسی قدر بڑا تھا۔ مامون پختہ عزم و ارادہ کا مالک تھا' عفوودرگذر اور صلح کا پیکر تھا۔ بدترین دشمن بھی جب سامنے آ جائے تو اس کو معاف کر دیتا۔ وہ خود کہا کرتا تھا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ عفوودرگذر کرنے میں مجھے کس قدر مزہ آتا ہے تو وہ خوب غلطیاں کر کے پاس آئیں گے۔ مامون اپنے غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرتا۔ ان کی خطاؤں اور زیادتیوں کو نظر انداز کر دیتا۔ وہ کہتا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں حمام میں ہوتا ہوں اور یہ نوکر اور غلام مجھے برا بھلا کہتے ہیں اور مجھ پر تہمتیں لگاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے نہیں سنا' حالاں کہ میں سنتا ہوں اور معاف کر دیتا ہوں اور کبھی یہ ظاہر نہیں کرتا کہ میں نے انھیں سنا تھا۔

مامون کے دورِ خلافت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور 198 ھ سے 203 ھ تک ہے۔ جس میں پایۂ تخت بغداد کے بجائے مرو شہر تھا، حکومت کی باگ ڈور مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ انتظامی امور کا وہی مالک تھا۔ اور خلیفہ کی حیثیت

برائے نام ہو کر رہ گئی تھی۔ فضل بن سھل نے مملکت کے واقعات سے خلیفہ کو یکسر بے خبر رکھا تھا۔

دوسرا دور 203ھ سے 218ھ تک ہے۔ اس میں مامون امام علی رضا کے ذریعہ ملک کے صحیح حالات سے واقف ہوا اور فضل بن سھل کا خاتمہ کر کے تمام امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ''مرو'' کو چھوڑ کر پھر سے بغداد کو اپنا پایہ تخت مقرر کر دیا۔

مامون کو اپنی تقریباً تمام مدت خلافت میں بغاوتوں کا سامنا رہا جس کے فرو کرنے میں وہ مصروف رہا۔ وہ ایک کے بعد ایک بغاوت کو بڑے حوصلہ کے ساتھ ختم کرتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے بڑے کارنامے انجام دیے۔ اس کے دور میں علوم وفنون کو جس قدر فروغ ہوا اور مامون نے اس سلسلے میں جو نمایاں کارنامے انجام دیے اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ ہارون نے بیت الحکمت کے نام سے ادارہ قائم کیا تھا ،جس میں مختلف باکمال اصحاب علم وفن جو مختلف ملکوں اور مذاہب سے تعلق رکھتے تھے' جمع ہو گئے تھے۔ مامون نے اسے کافی ترقی دی اور بہت ہی اہم کتابوں کا ترجمہ کروایا اور کئی کتابیں تصنیف کروائیں۔ فلسفہ کی طرف چوں کہ خاص طور پر اس کا میلان تھا اس لیے اس نے قیصر روم کو لکھا کہ ارسطو کی تصانیف جس قدر ممکن ہوسکیں' فراہم کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ ابتدا میں قیصر روم کو اس حکم کی تعمیل میں کچھ تامل ہوا اور اس نے اپنے عیسائی پادریوں سے مشورہ کیا۔ انھوں نے رائے دی کہ فلسفہ کی یہ کتابیں ہمارے پاس بے کار پڑی ہیں اور مقفل ومحفوظ ہیں۔ یہاں ان کے پڑھنے پڑھانے کی کسی کو اجازت نہیں ہے، کیوں کہ اس سے لوگوں کے دلوں میں مذہبی احترام باقی نہیں رہتا ،لہٰذا اس کو خلیفہ کے ہاں بھیج دینا چاہیے تا کہ وہاں فلسفہ کی خوب اشاعت ہو اور اس سے مسلمانوں کا مذہبی جوش سرد پڑ جائے۔ چناں چہ قیصر روم نے پانچ اونٹ کتابیں مامون کے دربار میں بھیج دیں۔ مامون نے اسحق کندی اور دوسرے ماہرین کو ان کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا۔ ہندوستان سے بھی سنسکرت کے عالموں کی ایک جماعت بغداد پہنچی تھی۔ اس طرح مامون کے دربار میں دنیا کے مختلف علاقوں سے مختلف علوم وفنون کے ماہرین اور مذاہب کے ماننے والے جمع ہوگئے۔ چناں چہ ترجمہ کا کام زور شور سے چلنے لگا اور اس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی کام ہوتا رہا۔ بیت الحکمت کے مترجموں کی تنخواہ اس زمانے میں ڈھائی ہزار درہم تھی۔ علاوہ ازیں کسی کتاب کے ترجمہ کرنے یا تالیف کرنے پر اس کتاب کے ہم وزن سونا یا چاندی تول کر دی جاتی تھی۔ اس طرح روم، ایران، ہندوستان اور مصر وغیرہ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں منگوا کر عربی میں ترجمہ کروائی جاتی تھیں اور ماہرین زبان کی ایک کمیٹی ان ترجموں پر نظر ثانی اور اصلاح کا کام انجام دیتی تھی۔

مامون کے عہد میں علم ہیئت (Astronomy) نے حیرت انگیز ترقی کی۔ مامون نے اسد بن علی، خالد بن عبدالملک اور یحییٰ بن منصور جیسے ماہرین ہیئت کو بلا کر بطلیموس کے بتائے ہوئے طریقے پر شمامیہ کے علاقے میں عالم اسلام کی پہلی رصدگاہ (Observatory) قائم کی جس کے ذریعہ سورج، چاند اور دیگر سیاروں وکواکب کے حالات معلوم کرنے کا ذریعہ پیدا ہوا۔ اسی طرح مامون کو زمین کی پیائش کا بڑا شوق تھا چناں چہ اس نے جغرافیہ وعلم ہیئت کے دس علما کی ایک جماعت کو بلا کر حکم دیا کہ زمین کے محیط کی پیائش معلوم کرنے کے لیے کوئی ایک وسیع و ہموار میدان منتخب کر کے اس کام کو علمی انداز میں انجام دیں۔ انھوں نے اس غرض کے لیے سنجار کے مسطح میدان کا انتخاب کیا اور کئی تجربات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ زمین کا محیط 24 ہزار میل ہے۔ لیکن مامون کو اس سے تشفی نہیں ہوئی اور اس نے کوفہ کے صحرا میں پھر سے تحقیق و پیائش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہاں بھی تجربات کے بعد اس بات کی توثیق ہوئی کہ واقعی زمین کا محیط 24 ہزار میل ہے۔

اس کے علاوہ ماہر ریاضی محمد بن موسیٰ خوارزمی کو طلب کر کے مامون نے علم الجبر (Algebra) پر کتاب لکھوائی جو صدیوں یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی۔ یورپ والوں نے گنتی کے ہندسوں اور صفر کا استعمال عرب ریاضی دانوں سے سیکھا۔

مامون کو مناظروں سے بڑی دل چسپی تھی' چناں چہ وہ اپنے دربار میں علما کو بلا کر مختلف موضوعات پر مناظرے کرواتا اور خود بھی ان میں حصہ لیتا اور اپنی رائے دیتا۔ اس طرح مامون نے جب اپنے سامنے ہر عقیدہ اور ہر مذہب و مسلک کے لوگوں کو آزادانہ گفتگو کرنے کا موقع دیا تو اس سے علمی بحثیں ہونے لگیں اور اس کی توجہ فرقہ معتزلہ کی طرف زیادہ مبذول ہوگئی۔ چوں کہ ان کا سارا زور دین کے دفاع و تحفظ کے لیے عقلی دلائل فراہم کرانے میں صرف ہوتا تھا چنانچہ ایک عیسائی پادری کے قرآن سے حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت ثابت کرانے کے جواب میں انھوں نے ایک مسئلہ خلق قرآن کا بھی چھیڑ دیا یعنی قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ مامون معتزلہ کے دلائل سن کر خلق قرآن کا قائل ہوگیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو خلق قرآن کے قائل نہ تھے ان پر تشدد پر اتر آیا۔ لیکن علمائے حق نے اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور اپنے عقیدہ پر قائم رہے جس کی وجہ سے انھیں بڑی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔

مامون کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کا بھائی معتصم مامون الرشید کے علم کے اعتقاد میں قاضی احمد ابن ابی داود کے زیر اثر اس مسئلہ میں مامون سے آگے بڑھ گیا تھا۔ لیکن بعد میں خلیفہ متوکل نے علما حق کی تائید کی، اس مسئلے کا سرے سے خاتمہ کر دیا اور عوام کو مذہبی عقائد میں مکمل آزادی دے دی۔

مامون الرشید کے کارناموں میں سب سے زیادہ قابل تعریف کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ولی عہد بنانے میں نیک نیتی اور امت کی خیر خواہی کا ثبوت دیا اور اس روایت کو توڑ دیا جسے اس سے پہلے خلفا نے قائم کیا تھا۔ مامون رشید نے امام علی رضا کو جن کا بنو عباس سے راست تعلق نہیں تھا ولی عہد بنا دیا جو کہ اپنے علم و فضل اور تقوی کے سبب خلافت کے بجا طور پر مستحق تھے اور خاندانی ملوکیت کے نظام کو ختم کر دیا۔ اس پر بنو عباس بہت ناراض ہوئے۔ لیکن خدا کو کیا منظور تھا کہ مامون کی زندگی میں ہی علی رضا کا انتقال ہوگیا اور اس طرح اس کا منشا پورا نہ ہوسکا۔ اس کے باوجود بھی اس نے اپنے بیٹے عباس کی بجائے اپنے بھائی معتصم کو جو عباس سے زیادہ خلافت و حکومت کی قابلیت رکھتا تھا' نامزد کیا اور اپنے بیٹے کو محروم کر دیا۔

رومی افواج کی سرکوبی کی ایک مہم سے واپس ہوتے ہوئے ایک مقام بذندون میں قیام کے دوران وہ سخت بخار میں مبتلا ہوا اور یہیں رجب 218 ھ کو انتقال کر گیا۔ اس کی زبان پر جو آخری الفاظ تھے وہ یہ کہ ''اے وہ جس کی سلطنت کبھی زائل نہ ہوگی اس پر رحم فرما جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے''۔ اور اس کے بعد اس کی روح پرواز ہوگئی۔

مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ خلیفہ بنا۔ اس کے دور میں فوجی انتظامات بہت مستحکم ہوئے۔ اس نے ترکوں کو اپنی فوج میں شامل کیا اور ان کو بڑے بڑے فوجی عہدے دیئے۔ معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ خلیفہ بنا۔ پانچ سال بعد اس کی وفات ہوگئی تو اس کے بھائی متوکل علی اللہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ اس کے زمانے میں بھی خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہا۔ وہ نرم دل انسان تھا۔ اس نے مسلکی مباحثے اور مناظرے بند کرا دیئے اور رعایا کے ساتھ بڑی رحم دلی سے پیش آیا۔ 247 ھ میں ایک ترکی سردار کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد عباسی خلافت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا۔

1.9 معتصم باللہ 218-227 ہجری مطابق 833-824 عیسوی

متوکل علی اللہ 232-247 ہجری مطابق 847-861 عیسوی

مامون کے بعد حسب وصیت اس کا بھائی معتصم باللہ تخت پر بیٹھا۔ اس کی پیدائش 180 ھ میں ہوئی۔ ہارون الرشید کو اس سے بے پناہ محبت تھی۔ معتصم کو پڑھنے لکھنے کا بالکل شوق نہیں تھا۔ اس نے اپنا سارا بچپن کھیل کود میں صرف کیا۔ اپنے دونوں بھائیوں امین اور مامون کے برخلاف وہ بہت ہی کم پڑھا لکھا تھا۔ بس اپنا نام وغیرہ لکھ سکتا تھا۔ مگر چوں کہ شاہی خاندان میں اور علما کی صحبت میں پرورش پائی تھی اس لیے اس کی واقفیت بہت وسیع تھی۔ معتصم نہایت تومند پہلوان اور بہادر شخص تھا۔ سپہ سالاری میں وہ اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے لوگ اسے سپاہی خلیفہ بھی کہتے ہیں۔

معتصم کے زمانے میں فوجی طاقت میں بڑا اضافہ ہوا اور اس نے ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا جس کے بعد ترک مضبوط ہوتے گئے حتّٰی کہ بعد میں خلافت کے امور پر وہ پوری طرح چھا گئے اور خلیفہ متوکل ان کا زور توڑتے ہوئے خود ختم ہو گیا اور کامیاب نہ ہو سکا۔ کیوں کہ آہستہ آہستہ ترکوں کا اقتدار بڑھتا چلا گیا۔

معتصم کے عہد کا سب سے اہم واقعہ روم پر حملہ اور عموریہ کی فتح ہے۔ واقعہ ہے کہ معتصم اپنے دربار میں بیٹھا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ رومی افواج نے مسلم علاقے پر قبضہ کر لیا اور مردوں وعورتوں کو قیدی بنا لیا۔ ان قیدیوں میں ایک بڑھیا تھی جو وامعتصماہ! وامعتصماہ! کہہ کر پکار رہی تھی یعنی اے معتصم میری مدد کر! اے معتصم میری مدد کر! جب اس کو یہ معلوم ہوا تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گیا اور تخت پر بیٹھے بیٹھے چلانے لگا۔ لبیک لبیک (حاضر ہوں، حاضر ہوں) چنانچہ اسی وقت فوج کو لے کر عموریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ میں انگورہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور عیسائی افواج کو منتشر کرتا ہوا عموریہ تک پہنچ گیا اور اسے بھی فتح کر لیا اور اس وقت تک نہیں لوٹا جب تک اس بڑھیا کو آزاد نہ کر دیا گیا۔

معتصم نے بغداد سے شمال میں تقریباً 75 میل دور دریائے دجلہ کے کنارے ایک شہر سامرا کے نام سے آباد کیا اور بغداد کے بجائے اس کو دارالخلافہ بنایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ترک سپاہی بڑے ہی اُجڈ اور تندمزاج تھے۔ تہذیب وتمدن سے بالکل ناآشنا تھے۔ شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں جہاں چاہتے بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے پھرتے جس سے شہریوں کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان حالات کے پیش نظر معتصم نے یہی مناسب سمجھا کہ ان ترک افواج کے لیے علیحدہ فوجی چھاؤنی بنائی جائے۔ اس طرح اس نے سامرا کو آباد کیا اور بعد میں اس کو دارالخلافہ بنایا جو تقریباً اَسّی (80) سال تک دارالخلافہ رہا۔ تا آنکہ متوکل نے ترکوں کا زور توڑنے کے لیے بغداد کو پھر سے دارالخلافہ بنا دیا۔

محرم 277 ھ میں معتصم نے چند روز بیمار رہ کر وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا واثق باللہ تخت وتاج کا وارث بنا۔

معتصم کے عہد کا قابلِ افسوس واقعہ یہ ہے کہ اس نے خلق قرآن کے مسئلہ پر علماءِ حق، خصوصاً امام احمد بن حنبل پر بڑی سختیاں کیں۔ کئی بار انھیں کوڑوں سے پٹوایا یہاں تک کہ وہ درد کے مارے بے ہوش ہو جاتے مگر ان اذیتوں کے باوجود وہ ثابت قدم رہے اور ان کا یہ عقیدہ رہا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔

متوکل علی اللہ:

معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ 227 ھ میں خلیفہ بنا۔ اور اس کی مدت خلافت پانچ برس رہی۔ یہ اپنے باپ کے برعکس فضل وکمال اور علم وفن کا دل دادہ تھا۔ ذی الحجہ 232 ھ میں فوت ہوا۔ اس نے کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد امرا، وزرا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ بعض کا خیال تھا کہ اس کے بیٹے محمد کو جانشین بنایا جائے لیکن چوں کہ ابھی وہ نابالغ تھا اسی لیے

دیگر نے اس کی مخالفت کی اور بالآخر یہ طے پایا کہ واثق کے بھائی متوکل کو خلیفہ نامزد کیا جائے اس طرح وہ 232ھ میں عباسی خلیفہ بنا۔

متوکل کا زمانہ خوش حالی اور فارغ البالی کا زمانہ ہے۔ کھانے، پینے اور ضروریاتِ زندگی کے سامان کی ارزانی اور فراوانی کے باعث عوام وخواص سبھی خوش وخرم تھے۔

متوکل کا دور عباسی خلافت کے عروج کا آخری دور ہے۔ اس کے بعد عباسی خلافت کا زوال شروع ہوگیا اور عباسیوں کی سلطنت کا رقبہ گھٹتا چلا گیا۔

متوکل نرم خو اور خوش مزاج شخص تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مجھ سے پہلے خلفا رعایا پر اس لیے سختی کرتے تھے کہ وہ اس کی وجہ سے ان کے مطیع وفرمانبردار بن جائیں لیکن میں نرمی سے کام لیتا ہوں تا کہ میری رعایا مجھ سے محبت کرے۔

متوکل احیاءِ سنت کا دل دادہ تھا۔ اس نے ان تمام بدعات کا خاتمہ کردیا جو اس کے پیش رو خلفا کے دور میں شروع ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس نے خلق قرآن اور صفات باری تعالیٰ سے متعلق تنازعے کا مسئلہ سرے سے ختم کردیا اور اس قسم کے مسئلوں پر مناظرے اور مباحثے بند کرادیے۔ جو لوگ معتزلہ کی مخالفت کرنے کے باعث قید وبند میں تھے' انھیں فوراً رہا کردیا۔ عوام متوکل کے اس اقدام سے بہت خوش ہوئے اور اسے محافظ سنت تصور کرنے لگے۔

متوکل اپنے قصر خلافت میں 247ھ کو ترکی سردار بغا کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس کے ساتھ ہی عباسی خلافت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔

1.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- اموی خلافت کے آخری فرماں روا مروان بن محمد کے قتل (5/اگست 750ء) کے بعد عباسی خلافت کا آغاز ہوا جو تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہا۔
- علوم وفنون کی ترقی، امن وامان کے فروغ اور دولت وثروت کی فراوانی کی وجہ سے یہ دور تاریخ اسلام کا عہد زرّیں قرار دیا گیا۔
- اس دور میں طب، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، علم ہیئت اور فلسفہ کے بڑے عالم پیدا ہوئے۔ علم حدیث اور علوم قرأت اور تفسیر کی تدوین و ترتیب کے اصول بنائے گئے۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور زیدی مسالک کی بنا، اصول وقواعد اور تحقیق وتدوین اسی دور میں ہوئی۔
- عباسی دور کا پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح تھا جس نے 132 سے 136 ہجری تک حکومت کی۔ وہ اپنی فیاضی، احساس ذمہ داری اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے مشہور ہے۔
- السفاح کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر منصور خلیفہ بنا۔ اس نے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ، دوراندیشی اور تدبر سے عباسی خلافت کی بنیاد مستحکم کی۔ اس نے طب، ریاضی، فلسفہ اور علم ہیئت کی کتابوں کا سریانی، یونانی، فارسی اور سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کے عمل کا آغاز کیا۔
- 170ھ میں محمد المہدی کا بیٹا ہارون الرشید خلیفہ بنا۔ اس کا دور عباسی خلافت کا زریں دور کہا جاتا ہے۔ اسلامی سلطنت سیاسی، سماجی، تمدنی اور علمی اعتبار سے اپنے عروج پر تھی۔
- ہارون الرشید کی علم دوستی اور علما کی سرپرستی کی وجہ سے دنیا کے کونے کونے سے اہلِ علم وفن اور باکمال اصحاب بغداد میں جمع ہوگئے

تھے۔اس نے علوم وفنون کے ترجمے کے لیے ایک بڑا ادارہ بیت الحکمۃ کے نام سے قائم کیا۔

- معتصم باللہ خلیفہ نے ترکوں کو اپنی فوج میں شامل کیا اور ان کو بڑے بڑے فوجی عہدے دیئے۔

- متوکل علی اللہ نے مسلکی مباحثے اور مناظرے بند کرادیئے اور رعایا کے ساتھ بڑی رحم دلی سے پیش آیا۔ 247 ھ میں ایک ترکی سردار کے ہاتھوں قتل ہوا۔اس کے قتل کے بعد عباسی خلافت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا۔

- عہدِ عباسی میں خلافت کا طریقہ موروثی تھا۔

- امورِ مملکت چلانے کے لیے مختلف عہدے اور ذمہ داریاں تقسیم تھیں،لیکن خلیفہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی۔خلیفہ کے بعد طاقتور شخصیت وزیر کی تھی، جو عموماً کوئی ایرانی ہوتا تھا۔

- امورِ مملکت چلانے کے لیے مختلف محکمے قائم کیے گئے تھے۔

- مسلمانوں سے زکاۃ وعشر، دشمنوں سے خراج اور تاوانِ جنگ اور غیر مسلم رعایا سے جزیہ کے علاوہ زمین کی مال گزاری اور اموالِ تجارت پر ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔

- پولیس کا محکمہ امن وامان کو قائم رکھتا تھا۔

- محکمۂ ڈاک کے ذریعے سرکاری اور عوامی پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا۔

- محکمۂ عدل وقضا کے تحت قاضی مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ کرتے تھے۔

- فوجی خدمات کے لیے کچھ لوگوں کو مستقلاً رکھا جاتا تھا،جنھیں ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی اور کچھ سے وقتِ ضرورت کام لیا جاتا تھا۔

- انتظامِ مملکت چلانے کے لیے پورے ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کردیا گیا تھا اور ہر صوبے کا ایک عامل (گورنر) مقرر کیا جاتا تھا۔

1.11 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات

1۔ عباسی دورِ حکومت کا تعارف کرائیے؟

2۔ عباسی حکومت کے استحکام میں ابوجعفر منصور کی کیا خدمات ہیں؟

3۔ معتصم اور متوکل کے دورِ حکومت پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات

1۔ عباسی خلافت کے عروج کے اسباب کیا تھے؟مفصل لکھیے۔

2۔ ہارون الرشید کے دورِ حکومت کو عباسی حکومت کا عہدِ زریں کیوں کہا جاتا ہے؟مفصل لکھیے۔

3۔ مامون الرشید کے دورِ حکومت کے نمایاں خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔

1.12 تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ اسلام : شاہ اکبر خان صاحب نجیب آبادی۔حصّہ دوم۔

2۔ تاریخ اسلام : شاہ معین الدین احمد ندوی

3۔ تاریخ الامت : اسلم جیراجپوری

۔:oOo:۔

خلافت عباسیہ (750ء)

اکائی 2: عباسی دور میں نقلی علوم کی ترقی

اکائی کی ساخت

2.1 تمہید

2.2 مقصد

2.3 عہد عباسی میں علوم کا ارتقا

2.3.1 عہد عباسی میں علوم وفنون کے ارتقا کے اسباب

2.3.2 ترجمہ کی تحریک

2.4 نقلی یا دینی علوم کا ارتقا

2.4.1 تفسیر

2.4.2 حدیث

2.4.3 فقہ

2.4.4 علم کلام اور تصوف

2.5 اکتسابی نتائج

2.6 نمونہ امتحانی سوالات

2.7 فرہنگ

2.8 تجویز کردہ کتابیں

2.1 تمہید

اس اکائی میں عہد عباسی کے علمی وتہذیبی ماحول، دوسری زبانوں سے مختلف موضوعات پر عربی میں ترجمے کی تحریک، عباسی خلفا وامرا کی اس تحریک کی سرپرستی اور اس میں ان کی حصہ داری پر روشنی ڈالی جائے گی اور یہ بتایا جائے گا کہ نقلی علوم کی مختلف شاخوں میں اس عہد میں کیا اضافے اور ترقیاں ہوئیں۔مزید برآں کن شخصیات نے اس میں اہم اور تاریخی کردار ادا کیا؟

2.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبا اس حقیقت سے واقف ہوجائیں گے کہ نقلی علوم کے تعلق سے دور عباسی کی خصوصیات کیا ہیں، اس دور

میں ان کا ارتقا کن خطوط پر اور کن وجوہات کی بنا پر ہوا۔ اسی کے ساتھ طلبا اس کے اسباب وعوامل اور مستقبل کے تناظر میں اس کے اثرات اور نتائج سے بھی واقف ہوسکیں گے۔

2.3 عہد عباسی میں علوم کا ارتقا

عہد عباسی (1285ء-750ء) کی ابتداء 132ھ سے ہوتی ہے جب ابوالعباس عبداللہ السفاح (754ء-750ء) نے امویوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے عباسی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ عباسی حکومت اموی حکومت سے کئی چیزوں میں مختلف تھی۔ سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ اموی حکومت خالص عربی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ اور عباسی حکومت پر فارسی رنگ غالب تھا، کیوں کہ بنیادی طور پر وہ فارسی نسل کے لوگوں کی مدد سے وجود میں آئی تھی۔ اور اس وجہ سے غیر عربی قوموں کے تئیں اس کے رویے میں غیر جانب داری اور فراخ دلی کا عنصر پایا جاتا تھا۔ یہ عہد تقریباً پانچ صدیوں (656-132ھ) پر محیط ہے۔ جدید مورخین عموماً اس عہد کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی:

السفاح کے ذریعہ حکومت کے قیام 132ھ سے متوکل کی خلافت کی ابتدا 232ھ تک۔

232ھ سے بغداد میں بویہی حکومت کے مضبوط ہونے یعنی 334ھ تک

334ھ سے سلجوقیوں کے بغداد میں داخل ہونے 447ھ تک اور

447ھ سے تاتاریوں کے ہاتھوں سقوط بغداد 656ھ تک

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس طویل مدت کی خصوصیات یکساں نہیں ہوسکتیں۔ صدی دوصدی کی مدت میں نئے تمدنی انقلابات رونما ہوتے ہیں اور پرانی تمدنی روایات مٹ جاتی ہیں یا ان کا زور کم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس پوری مدت میں علوم وفنون کے مظاہر بھی مختلف نشیب وفراز کے مراحل سے گزرتے رہے۔ تاہم مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ عباسی دور علوم وفنون کی پختگی، توسیع اور عروج کا دور ہے۔ اموی عہد میں علم کا تصور اور اس کے مظاہر زیادہ تر دینی دائرے میں سمٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ حدیث، تفسیر، فقہ، سیرت مغازی کا براہ راست تعلق دین وشریعت سے تھا۔ عہد عباسی میں صورت حال تبدیل ہوگئی۔ ترجمے کی تحریک کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر عقلی یا سیکولر علوم کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا جیسے منطق، فلسفہ، طبعیات، ریاضی، فلکیات، طب، موسیقی وغیرہ، حتی کہ ان میں وہ موضوعات بھی شامل ہوگئے جو بظاہر اسلام کی راست تعلیمات سے ٹکراتے ہیں۔ جیسے سحر وکہانت اور علم نجوم وغیرہ۔ پھر یہ بھی اہم ہے کہ ان اولین مترجمین کی اکثریت بھی غیر مسلموں عیسائی، یہودی، ہندو، پارسی اور صابی علما پر مشتمل تھی۔ کیوں کہ وہی ان زبانوں سے واقف اور ان سے عربی میں ترجمہ کرنے کی صلاحیت کے حامل تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ آگے چل کر مسلم علما اور اہل فن نے ان علوم وفنون کی توسیع وترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ دراصل انہی کی علمی کاوشیں دور جدید میں یورپ کی علمی وعقلی فتوحات کا مقدمہ بنیں۔

سیکولر یا عقلی علوم کے علاوہ دینی علوم میں سے بہت سے علوم کی بنیاد بھی اس عہد میں پڑی اور جن علوم کی بنیاد سابق عہد میں پڑ چکی تھی، ان کے ساتھ ان کا ارتقا بھی اس عہد میں ہوا۔ عہد عباسی میں علوم کی ان دونوں قسموں (عقلی اور نقلی علوم) کو بھر پور طور پر پھلنے پھولنے اور فروغ پانے کا موقع حاصل ہوا۔

2.3.1 علوم وفنون کے ارتقا کے اسباب

عہد عباسی میں علوم وفنون کے ارتقا کے واضح تصور کے لیے بنیادی اسباب وعوامل کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عباسی دور کے آغاز تک تقریباً ڈیڑھ سو سالوں کے دوران دینی و سیاسی سطح پر اسلام کی بنیادیں کافی مستحکم ہو چکی تھیں۔ داخلی انتشار اگر چہ موجود تھا لیکن اسلامی مملکت کے خارجی حدود پر اس انتشار کا کوئی اثر نہ تھا۔ وسائل کی فراوانی سے معاشی سطح پر لوگ کافی خوش حال اور مطمئن تھے۔مسلم سماج امویوں کی بدوی تہذیب سے نکل کر مدنی تہذیب میں داخل ہو چکا تھا۔جس کو دن رات فروغ حاصل ہو رہا تھا۔عراق تاریخی اور جغرافیائی طور پر امویوں کے دارالسلطنت دمشق کے مقابلے میں زیادہ ممتاز اور موزوں حیثیت رکھتا تھا۔عباسی حکومت عربی وعجمی تعصب سے خالی تھی۔ پہلے اس میں فارسی عنصر غالب رہا پھر مزید غیر ملکی عناصر: ترکی، سریانی، رومی اور بربری بھی شامل ہو گئے۔ان سب کی اپنی اپنی ثقافت ومعاشرت تھی جن کے اختلاط سے ایک وسیع اور متنوع ثقافت کو نمو حاصل ہوا۔عباسی خلفا غیر مسلموں کے تعلق سے عموماً انتہائی رواداری کا رویہ رکھتے تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو سیاست تک میں اس قدر عمل دخل تھا کہ غیر جانب دار غیر مسلم مورخین و مصنفین نے اس پر اپنی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ آدم متز نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ 'نصاریٰ اسلامی ملکوں میں مسلمانوں پر حکومت کرتے تھے۔' (آدم متز: الحضارۃ الاسلامیہ فی القرن الرابع الہجری: ج:۱ص:105)۔

خلق قرآن کے مسئلے میں بدنام مامون الرشید (833-813ء) کا حال یہ تھا کہ وہ خود مائل بہ تشیع، اس کا وزیر یحییٰ بن اکثم سنّی اور دوسرا وزیر احمد بن داؤد معتزلی تھا۔اسی طرح ابو جعد نامی شخص کی چھ اولادوں میں سے دو شیعی، دو مرجئی اور دو خارجی تھے۔(جرجی زیدان: تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، جلد:2 صفحہ:19)۔

اموی عہد (750-661ء) میں عجمیوں کی طرح موالی کے ساتھ بھی تعصب اور تحقیر کا رویہ اپنایا جاتا تھا۔

عہد عباسی میں ان کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا گیا اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی، چنانچہ اپنی شناخت وامتیاز کی استواری کے لیے انہوں نے بھرپور کوششیں کیں۔ اور اپنے گراں قدر نقوش واثرات چھوڑے۔ برامکہ اور آل فضل ان ہی موالی میں سے تھے۔

سب سے اہم سبب یہ تھا کہ اکثر عباسی خلفا خود بھی اہل علم وذوق تھے۔ اور اسی کے ساتھ علما وارباب فن کے قدرداں بھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بالخصوص عہد وسطیٰ کے معاشرے میں علوم وفنون بغیر امرا وسلاطین کی سرپرستی کے باضابطہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔انہوں نے اہل علم وفضل کو قریب کیا۔ ان کی عزت وتکریم کی اور انعامات واکرامات کے ذریعہ ان کی بڑھ چڑھ کر حوصلہ افزائی کی جس کے نتیجہ میں نابغہائے عصر کھنچ کر ان کے پاس چلے آئے۔خلفا نے خود اپنی علمی تشنگی کو بجھانے اور اسلامی تہذیب کی جڑوں کو مضبوط کرنے نیز اپنی مملکت کی شان وعظمت کو بلندی عطا کرنے کے لیے ان علمائے روزگار سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (774-754ء) کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ وہ خود راوی حدیث تھا۔ اسی کے ساتھ وہ شعر وادب کا اچھا اور تنقیدی ذوق بھی رکھتا تھا۔ یہ حدیث سے اس کے شغف کا ہی نتیجہ تھا کہ اس نے امام مالک سے موطا جیسی کتاب لکھوائی۔ اپنے بیٹے جعفر کے انتقال کے دن جب اس کی طلب پر اس کے اہل خاندان میں سے کوئی بھی ایسا فرد نہیں مل سکا جو اسے ایک خاص حزنیہ قصیدہ سنا سکے تو اس نے تڑپ کر کہا کہ:

'خدا کی قسم ایسے شخص کا میرے خاندان میں موجود نہ ہونا جسے یہ نظم یاد ہو، اتنی بڑی مصیبت ہے کہ جس کے آگے میری اس

اولاد کی موت کی مصیبت بھی ہیچ ہے'۔(ایضاً ص:12)

منصور کی طرح مہدی (785-775ء) اور ہارون رشید (808-786ء) دونوں نہ صرف دینی علوم بلکہ شعر وسخن کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ ہارون کو جاہلی شاعر ذی الرمہ کے اشعار بچوں کی طرح یاد تھے۔ مامون باضابطہ کتابوں کا مصنف تھا لیکن وہ ضائع ہوگئیں۔ مہدی کے بیٹے ابراہیم کی علمی صلاحیت اور وزرا میں متوکل کے وزیر فتح بن خاقان کی علم نوازی کے متعلق مورخین نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

بہرحال ان چند اہم اسباب وعوامل نے عہد عباسی کی علمی فضا پر دیرپا اور نتیجہ خیز اثرات قائم کیے۔ ان کے بغیر علوم وفنون کے قابل رشک ارتقا کا تصور ممکن نہیں تھا۔

2.3.2 ترجمے کی تحریک

عہد عباسی میں علوم وفنون کے ارتقا کا باضابطہ آغاز دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمے کے عمل سے ہوتا ہے۔جس نے مامون کے عہد میں ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی۔ دوسرے عباسی خلیفہ منصور کو طب اور نجوم سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس کے حکم سے ان موضوعات پر بعض کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ فلکیات میں لکھی گئی برہم گپت کی سنسکرت کی مشہور کتاب 'سدھانت' کا ترجمہ محمد ابن ابراہیم الفزاری نے اور طب میں لکھی گئی جالینوس اور سقراط کی کتابوں کا ترجمہ یحییٰ بن البطریق بطلیموس کی کتاب المجسطی (Almagest) اور اقلیدس کی کتاب اولیات (Elements) اور سنسکرت کی مشہور کتاب 'پنچ تنتر' کا ترجمہ بھی 'کلیلہ ودمنہ' کے نام سے اس عہد میں ہوا جسے ابن المقفع نے پہلوی زبان سے کیا تھا۔

ترجمے کے کام کو تحریکی حیثیت اور عروج دراصل مامون کے عہد میں حاصل ہوا۔ مامون کو خاص طور پر منطق وفلسفہ کی کتابوں سے حد درجہ شغف تھا۔ اس نے بعض جگہ مثلاً قسطنطنیہ، صقلیہ اور قبرص وغیرہ علمی وفود بھیجے اور بعض دوسرے علاقوں کے حکمرانوں کو خطوط لکھ کر مختلف موضوعات پر لکھی گئی اہم کتابیں منگوائیں اور ان کا عربی میں ترجمہ کروایا۔ کہا جاتا ہے کہ مامون کی فرمائش پر شاہ روم نے جو کتابیں ارسال کیں ، ان میں ایک تعداد ایسی کتابوں کی بھی تھی، جنھیں مذہب کے لیے نقصان دہ اور شر انگیز تصور کرتے ہوئے رومیوں نے ایک الگ کمرے میں مقفل کر کے چھوڑ رکھا تھا، یہ دراصل منطق وفلسفہ کی کتابیں تھیں۔ مامون کے کمال شغف کے نتیجے میں یہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر ارباب علم و فکر کی بصیرت کا سامان بنیں۔

ترجمے کی تحریک میں بیت الحکمت (یا خزانۃ الحکمت) نے اہم کردار ادا کیا جسے ہارون رشید یا مامون نے قائم کیا تھا۔ اگرچہ اس سے متعلق معلومات منتشر اور متضاد ہیں اور مورخین وتذکرہ نویسوں کے بیانات سے وضاحت کے ساتھ اس کے خدو خال کا علم نہیں ہوتا (ضحیٰ الاسلام: الجزء الثانی ص: ۱۶) اس کے مختلف شعبے یا حصے تھے جنھیں 'خزانۃ' سے موسوم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قسطنطنیہ سے منگوا کر رکھی جانے والی کتابوں کو ایک الگ خزانے میں رکھا گیا تھا۔ اسی طرح ہارون اور مامون رشید کی کتابوں کو الگ الگ خزانوں (خزانات) میں رکھا گیا تھا اور اسے خزانۃ الرشید اور خزانۃ المامون کے ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا۔ 'خزانۃ' عربی میں دراصل الماری کو کہتے ہیں۔ غالباً اسی مناسبت سے الگ الگ خانوں میں یا الگ الگ رکھے جانے والے کتابوں کے مجموعوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔

ترجمہ کرنے والوں کی ایک ٹیم اس سے متعلق تھی۔ اس ٹیم کا ایک سربراہ اور اس سربراہ کے اہل کار اور معاونین ہوتے تھے۔ اسی کے ساتھ کتابت کرنے والے اور جلد ساز بھی رکھے گئے تھے۔ مامون کے زمانہ میں ترجمہ کرنے والوں کا سربراہ یوحنا بن ماسویہ تھا۔ جو جبریل بن

بختیشوع (وفات: 828ء) کا شاگرد تھا۔ یہ دونوں مذہباً عیسائی تھے۔ اور بیت الحکمت کا نگراں سلم نام کا ایک فاضل شخص تھا۔ یوحنا بن ماسویہ نے بہت سی اہم کتابوں کا ترجمہ کیا، خاص طور پر ان کتابوں کا جنہیں مامون نے انقرہ اور عموریہ سے حاصل کیا تھا۔ مترجمین میں دوسرا اہم نام حنین ابن اسحاق کا ہے، جو حیرہ (چام) کا نسطوری (Nestorian) عیسائی تھا۔ حنین کو یونانی سے سریانی میں ترجمے کی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ وہ پہلے یونانی کتابوں کو سریانی میں ترجمہ کرتا تھا اور اس کے ماتحت مترجمین انہیں سریانی سے عربی میں منتقل کرتے تھے۔ مشہور کتابوں میں افلاطون کی 'جمہوریہ' (Republic) ارسطو کی مقالات (Categories) طبعیات (Physics) اور اخلاقیات (Magna Moralia) کا ترجمہ اسی نے کیا۔ جالینوس کی اکثر کتابوں کا مترجم بھی وہی ہے۔ اس کے ترجمے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مامون اس کو ہر کتاب کے ترجمے کے عوض کتاب کے بقدر سونا دیا کرتا تھا۔ ترجمہ کرنے والوں میں ایک نام ثابت بن قرہ کا ہے جو صابی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کے ماننے والے ستاروں کی پرستش کرتے تھے اور اسی وجہ سے فلکیات اور ریاضیات میں دل چسپی اور مہارت رکھتے تھے۔ ثابت ترجمہ کرنے والی صابی جماعت کا سربراہ تھا۔ ثابت بن قرہ کے لڑکے سنان اور سنان کے دولڑکوں ابراہیم اور ابوالفرج نے اپنے باپ دادا کی طرح ہی ان موضوعات کی اہم کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔

فارسی سے ترجمہ کرنے والے ابتدائی مترجمین میں ابن مقفع کا نام بھی آتا ہے۔ جس کی ترجمہ کردہ کتاب 'کلیلہ و دمنہ' کا تذکرہ اوپر گذرا۔ اسی طرح فارسی سے فضل بن نوبخت نے علم نجوم کی بعض کتابوں کو اور علی بن زیادہ نے کتاب زیج الشہر یار کو عربی میں منتقل کیا۔

سنسکرت سے ترجمہ کرنے والوں میں منکہ ہندی، ابن دھن اور اسحاق سلیمان بن علی الہاشمی اور نبطی (کلدانی) سے ترجمہ کرنے والوں میں ابن وحشیہ کا نام خصوصیت کے ساتھ مورخین نے ذکر کیا ہے۔ مترجمین کی اکثریت شاہی درباروں سے منسلک رہی۔ البتہ ایک طبقہ اس دور میں ایسا بھی تھا جو اپنے طور پر اس کام میں مصروف تھا۔ اس ذیل میں تین بھائیوں: بنوموسیٰ بن شاکر کو خصوصی طور پر شہرت وعظمت حاصل ہے۔ جنہوں نے انجینئرنگ، طبعیات اور میکینکس وغیرہ کی کتابیں رومی علاقوں سے منگوائیں اور ان کا ترجمہ کروایا۔ غیر خلفا میں سے اسی طرح محمد بن عبدالملک الزیات، علی بن یحییٰ اور محمد بن موسیٰ وغیرہ نے ترجمہ کی تحریک کی سرپرستی کرنے اور اسے آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔

موضوعات کے اعتبار سے حکمت وفلسفہ، سیاسیات، طب، ریاضیات، فلکیات، کیمیا، موسیقی، انجینئرنگ وغیرہ کی کتابیں یونانی زبان سے، سیر وسوانح، ادب اور تاریخ کی کتابیں سنسکرت سے اور زراعت نیز سحر وطلسمات کی کتابیں نبطی یا کلدانی سے ترجمہ کی گئیں۔

اس طرح ایک صدی کے اندر اندر مختلف تہذیبوں سے استفادے کے ذریعہ اس وقت تک کے ترقی یافتہ انسانی علوم کا خلاصہ عربی میں منتقل اور محفوظ ہو کر اسلامی دنیا میں ایک ہمہ گیر علمی وتمدنی انقلاب کا ذریعہ بنا۔

2.4 نقلی یا دینی علوم کا ارتقا

عقلی علوم سے مراد دراصل وہ علوم ہیں جنہیں عربوں نے دوسری قوموں سے حاصل کیا۔ جیسے حکمت وفلسفہ، ریاضی و ہندسہ وغیرہ، جب کہ نقلی سے مراد وہ اصل علوم ہیں جن کے آغاز وایجاد کا سہرا خود عربوں کے سر ہے۔ اور ان کا بڑا حصہ علوم شریعت یا ان کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ جیسے تفسیر وحدیث، فقہ وکلام، نحو وصرف اور تصوف وفرائض وغیرہ۔ علامہ ابن خلدون کا خیال ہے کہ علوم نقلیہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اس اعتبار سے ہم معروف تقسیم کے لحاظ سے انہیں دینی ودنیوی علوم سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ بعض مصنفین مثلاً احمد امین نے

ضحیٰ الاسلام میں کیا ہے۔

عربوں میں علوم کا جو انقلاب آیا اس کا اصل سبب یا منبع دراصل قرآن کریم تھا۔ یہ بات جس طرح علوم نقلیہ کے تعلق سے درست ہے اسی طرح علوم عقلیہ کے تعلق سے بھی۔قرآن اپنے الفاظ و اسلوب اور مضامین و معانی دونوں کے اعتبار سے ایک معجزہ تھا۔ اس نے ایک زبردست بھونچال پیدا کر کے عربوں کی خشک صحرائی عقل کی پرتیں کھول دیں اور اس میں بے پناہ وسعت و روشنی پیدا کردی۔قرآن کو صحیح طور پر پڑھنے کے لیے قرأت وتجوید کا فن وجود میں آیا۔ پھر قرآنی آیات میں غور وخوض اور اسلامی قانون سازی کے لیے تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کی علوم کی شکل میں ترتیب و تدوین عمل میں آئی۔ اور اس ضمن میں بہت سے علوم و مضامین پیدا ہوئے۔علما نے ان کی تعداد تین سو تک لکھی ہے۔تاہم ان میں بنیادی حیثیت تفسیر، حدیث، اور فقہ کو حاصل رہی۔ان میں چوتھی چیز کا اضافہ علم کلام سے ہوا۔ جسے فقہا و محدثین کے غالب طبقے کی تائید حاصل نہیں تھی لیکن ایک وسیع اور ارتقا پذیر تہذیب و معاشرت سے پیدا ہونے والی صورت حال کے فطری تقاضے کے تحت اس نے دینیات کی صفوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیابی حاصل کرلی۔عہد عباسی میں دینیات کی ان چاروں شاخوں کو زبردست عروج حاصل ہوا۔ان کا آغاز عہد اموی میں ہوا تھا لیکن اس عہد کے مخصوص حالات اور نسبتاً اس کی مدت کے مختصر ہونے کی وجہ سے انہیں مزید پھلنے پھولنے کا اس عہد میں موقع نہیں ملا۔عہد عباسی کے حوالے سے ہم یہاں ان سطور میں ان چاروں علوم کے ارتقا پر قدرے تفصیل اور بعض دوسرے متعلقہ علوم کے ارتقا پر سرسری طور پر نگاہ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

2.4.1 تفسیر

عہد اموی میں تابعین کی ایک خاصی تعداد تفسیر قرآن میں مشغول تھی۔جس میں پیش پیش عبداللہ ابن عباس کے تلامذہ تھے۔ابتدا میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا حصہ تھی اور صرف نقل و راویت پر مشتمل تھی۔عہد عباسی کے شروع میں ایک منفرد علم کی حیثیت سے اس کے خد وخال مرتب ہونا شروع ہوئے اور پھر آگے چل کر اس نے باضابطہ ایک اہم دینی علم کی شاخ کی حیثیت اختیار کرلی۔اس طرح کی پہلی اہم جامع تفسیر عہد عباسی کی ابتدا میں لکھی گئی وہ طبری کی 'جامع البیان' ہے۔جو عہد اموی میں تفسیر سے متعلق ہونے والے کام کا پوری طرح احاطہ کرتی ہے اور اس پر مشتمل ہے۔عہد عباسی میں مختلف پہلوؤں سے علم تفسیر کا ارتقا ہوا۔مختلف مذاہب تفسیر کو اسی عہد میں منضبط کیا گیا اور اس ضمن میں متعدد اہم اور بنیادی کتابیں تحریر کی گئیں۔لغت ونحو اور حدیث وفقہ وغیرہ علوم کی باضابطہ تدوین وتوسیع سے علم تفسیر میں بھی ترقی آئی اور اس کا دائرہ وسیع ہوا۔ چنانچہ صرف لغت وقواعد کے پہلو سے قرآن کے اعراب واشتقاق، مشکل الفاظ، تراکیب وغیرہ کو بنیاد بنا کر تفسیری کتابیں لکھی گئیں۔اس طرح فقہ کو بنیاد بنا کر چاروں فقہی مکاتب فکر کے علما نے احکام القرآن کے نام اور عنوان سے متعدد تفسیری کتب تصنیف کیں۔فلسفہ اور علم کلام کے زیر اثر بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔رازی کی مفاتیح الغیب اسی قبیل کی تفسیر ہے۔

اس عہد میں نئے علوم کی ایجادات کے ساتھ نئے فرقے بھی وجود میں آچکے تھے۔ چنانچہ ان فرقوں کے علما نے اپنے نظریات کی تشہیر و تائید میں تفسیریں لکھیں۔صوفیا کی طرف سے اشاری اور اعتباری اور باطنیوں کی طرف سے تاویلی تفسیریں لکھنے کا بھی اس عہد میں رواج ہوا۔ تفسیر کے حوالے سے ایک اہم کام اس عہد میں یہ ہوا کہ خصوصاً عہد اموی کی تفسیری روایات میں اسرائیلیات کا جو حصہ شامل ہوگیا تھا، علما نے اس کی تحقیق وتنقید کی قابل قدر کوششیں کیں۔ اس دور رس اہم تفسیروں میں طبری، رازی اور زمخشری کے علاوہ ثعلبی، واحدی، بغوی، خازنی اور

اصفہانی کی تفاسیر شہرت رکھتی تھیں۔

2.4.2 حدیث

عہد اموی میں حدیث کی تدوین کی باقاعدہ شروعات عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے ہوئی تھی۔ عہد عباسی میں یہ کام اپنے فطری تقاضے کے تحت بڑے پیمانے پر ہوا۔ منصور نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ کیوں کہ وہ خود بھی راوی حدیث تھا۔ اسی کی ایما پر امام مالک نے موطا تصنیف کی، جو اپنے استناد و جامعیت میں سب سے بڑھ کر تھی۔ دوسری صدی کے نصف ثانی میں ہی مؤطا کے علاوہ مختلف علاقوں میں مختلف لوگوں نے حدیث کی جمع و تدوین و تحقیق کا کام کیا اور اس میں کتابیں لکھیں۔ مکہ میں ابن جریج اور سفیان بن عُیینہ، مدینہ میں امام مالک کے علاوہ محمد بن اسحاق، بصرہ میں الربیع بن الصبیح، سعید بن عروبۃ، کوفہ میں سفیان ثوری، شام میں اوزاعی، مصر میں لیث بن سعد وغیرہ نے حدیث کے موضوع پر کام کیا اور اس کو آگے بڑھایا۔ تیسری صدی میں احادیث کی تدوین کے ساتھ نقد رجال و تحقیق متن کا کام بھی شروع ہوا۔ احادیث کے درجات کی تعیین کے لیے بنیادی اصول وضع کیے گئے۔ روایوں کی تحقیق اور تجریح و تعدیل کے حوالے سے اسماء الرجال کا فن وجود میں آیا۔ نیز مسند احمد حنبل، صحاح ستہ۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی اسی عہد میں لکھی گئیں۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں ابن خزیمہ، ابن ابی حاتم، حاکم نیشاپوری، دارقطنی اور خطابی جیسے محدثین نے حدیث کے علوم میں گراں قدر اضافہ کیا۔

2.4.3 فقہ

علم فقہ اپنے روایتی اور غیر منضبط شکل میں عہد نبوی اور صدر اسلام میں موجود تھا۔ عہد اموی میں اس میں کچھ پیش رفت ہوئی۔ تاہم اصولی اور فنی سانچے میں اس کی تشکیل بھی عہد عباسی میں ہی ہوئی۔ بغداد کے دارالخلافہ بننے کے بعد دینی علم کی تحریک میں فقہ کو ایک اہم اور مرکزی مقام حاصل ہوا۔ اور اس میں نابغین روزگار شخصیات پیدا ہوئیں جن میں سرفہرست امام ابوحنیفہ ہیں جنہیں منصور نے کوفہ سے بغداد بلایا، ان کی تعظیم و تکریم کی اور انہیں اور ان کے اصحاب کی اس کام میں مدد کی۔ چنانچہ فقہ کے اولین اصول ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب بالخصوص ابو یوسف اور محمد بن حسن نے مرتب کیے۔ فقہ کے دو بنیادی اسکول یا منہج تھے۔ ایک عراقی اور دوسرا حجازی۔ ائمہ اربعہ میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد دوسرے اسکول سے اور امام ابوحنیفہ پہلے اسکول سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے علاوہ اس باب میں سب سے وقیع کام امام شافعی نے کیا۔ انہوں نے اصول فقہ میں 'الرسالہ' اور مسائل فقہ 'کتاب الام' لکھ کر آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے بیش قیمت زمین فراہم کردی۔

فقہ کے باضابطہ چاروں اسکول حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اور دوسرے اسکول: فقہ اوزاعی، فقہ زیدی، فقہ سفیان ثوری، فقہ جعفری اور فقہ ظاہری اسی عہد میں بنے۔ اس عہد میں ان کی اساسی کتابیں مرتب کی گئیں جیسے احناف کی چھ کتابیں جنہیں 'ظاہر الروایۃ' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فقہ کے بنیادی نظریات کی تشکیل کے ساتھ تقلید کو علمی و عملی سطح پر اس عہد میں اعتبار حاصل ہوا۔

2.4.4 علم کلام اور تصوف

علم کلام اس حیثیت سے منفرد ہے کہ اس کا آغاز، نشوونما اور ارتقا اور پھر زوال عہد عباسی سے ہی منسلک ہے۔ علم کلام کا بانی ابوالہذیل

علاّف کو سمجھا جاتا ہے۔جس نے اس فن میں چھوٹی بڑی ساٹھ کتابیں لکھیں۔ (شبلی نعمانی: علم الکلام: ص: 35) سب سے پہلے مہدی کے حکم سے اس موضوع پر کتابوں کی تالیف عمل میں آئی تاہم دوسرے علوم کی طرح اس کو بھی اصل فروغ مامون کے عہد (833-813ء) میں حاصل ہوا۔متکلمین میں سب سے پیش پیش معتزلہ کی جماعت تھی جو مختلف مسائل میں اہل السنت والجماعت کے علما سے اختلاف رکھتی تھی۔ مامون نے تعقل پسندی کے تحت اس جماعت کی بھرپور سرپرستی کی۔ اس کے بعض نظریات کو مثلاً خلق قرآن کو اس نے سرکاری مسلک قرار دیا۔ اور اس میں تشدد تک روا رکھا۔ مامون کا یہ رویہ ایک لحاظ سے یقیناً منفی تھا لیکن اس فن کو کافی ترقی حاصل ہوئی۔ مامون کے علاوہ معتصم، واثق نیز برامکہ اور دیگر وزرا اور امرا نے بھی اس کے فروغ واستحکام میں اہم کردار ادا کیا۔

عباسی عہد کے دوسرے حصے میں ابوالحسن اشعری (وفات: 936ء) ایک معتزلی گھرانے میں بغداد میں پیدا ہوئے۔لیکن کافی غوروخوض اور معروضی تحقیق اصول وضوابط کے بعد انہوں نے معتزلہ کی مخالفت میں بہت سی کتابیں لکھیں اور علم کلام میں ایک نئے طرز فکر اشعریت کی بنیاد ڈالی جس کے ماننے والے اشاعرہ کہلائے ،تقریباً اسی دور میں ابومنصور ماتریدی سمرقند سے فرق باطلہ کے خلاف نقل وعقل کے مابین تطبیق کے ساتھ کتاب وسنت کے تحفظ کے لیے سامنے آئے۔ معتزلہ کا زور ٹوٹنے کے بعد علم کلام نے ایک نئی کروٹ لی اور اس طرح اہل السنت والجماعت کی صفوں سے باقلانی ،عبدالملک جوینی ،غزالی، رازی، عبدالکریم شہرستانی اور آمدی جیسی شخصیات سامنے آئیں۔

تصوف کی بھی بحیثیت ایک علم اسی عہد میں تدوین ہوئی۔تصوف کی ابتدائی اہم شخصیات: ابراہیم بن ادہم، حارث محاسبی، ابو یزید بسطامی، ذوالنون مصری، سہل بن عبداللہ التستری، جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، حسین بن منصور الحلاّج، ابونصر السراج، کلاباذی، ابوطالب مکی، ابوالقاسم القشیری، علی بن عثمان الہجویری، ابوحامد الغزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، نجم الدین کبریٰ اور شہاب الدین سہروردی اسی عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔تصوف اور اخلاقیات کے موضوع پر اس عہد کی لکھی گئی کتابوں میں اللمع فی التصوف، التعرف لمذہب اھل التصوف، کشف المحجوب، الرسالہ القشیریۃ، عوارف المعارف اور احیاء علوم الدین وغیرہ اہم اور معروف کتابیں ہیں۔

2.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- عباسی عہد علوم وفنون کے عروج وارتقا کے تعلق سے تمام اسلامی عہدوں میں سب سے اہم عہد ہے۔
- مسلمانوں کی علمی میراث کا بڑا حصہ اسی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔عباسی عہد میں علوم کی اس ترقی کے مختلف عوامل تھے جن میں سب سے اہم تمدنی ارتقا دوسری قوموں سے اختلاط واستفادہ، معاشی خوشحالی اور عباسی خلفاء کی علم دوستی اور علم نوازی تھی۔
- عباسی خلفا میں سب سے اہم عہد ہارون و مامون کا عہد ہے۔ اس عہد میں بنیادی طور پر مختلف قوموں اور زبانوں کی اہم کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں، جن میں آگے چل کر مسلم علما واہل فن نے بیش بہا اضافے کیے۔ یہ اندلس اور صقلیہ کے راستہ یورپ پہنچے جن سے اہل یورپ نے اپنی نشاۃ ثانیہ میں فائدہ اٹھایا۔
- اس عہد میں علوم نقلیہ یا دینی علوم میں زبردست ترقی ہوئی۔ دینی علوم کی نئی نئی شاخیں اس عہد میں نکلیں اور ان میں علمائے روزگار نے اہم کتابیں تصنیف کیں۔علوم ثلاثہ: تفسیر، حدیث، اور فقہ سے متعلق بنیادی اہم کتابیں اور شخصیات اسی عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔

2.6 نمونۂ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ نقلی یا دینی علوم کے ارتقاء سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔

2۔ عہد عباسی میں علوم وفنون کے ارتقا کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔

-3 عہد عباسی میں علم کلام اور تصوف پر خدمات پر ایک نوٹ لکھیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ عہد بنوعباس میں ترجمہ کی تحریک پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

2۔ عہد بنوعباس میں علوم کے ارتقاء پر روشنی ڈالتے ہوئے تفسیری خدمات قلمبند کیجیے۔

4۔ اس عہد میں حدیث اور فقہ میں ہونے والے کاموں کا جائزہ لیجیے۔

2.7 فرہنگ

الفاظ	:	معنی
موالی	:	آزاد کردہ غلام۔
معتزلہ	:	مسلمانوں کا ایک عقلیت پسند فرقہ۔
اشاعرہ	:	اہل السنت والجماعت میں سے معتزلہ و دیگر فرق باطلہ کے رد میں اٹھنے والا حکمائے اسلام کا طبقہ۔
برامکہ	:	ایک فارسی النسل خاندان جس کے بہت سے افراد نے عہد عباسی میں وزارت کی ذمہ داری سنبھالی۔
نشاۃ ثانیہ	:	کسی قوم یا ملک کا دوبارہ عروج وترقی (Renaissance)

2.8 تجویز کردہ کتابیں

1۔ ہسٹری آف دی عربس	:	فلپ کے ہٹی (انگلش)
2۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ (جز ثانی، جز ثالث)	:	جرجی زیدان (عربی)
3۔ ضحیٰ الاسلام جزء ثانی	:	احمد امین (عربی)
4۔ تراث الاسلام: عربی ترجمہ Legacy of Islam	:	جے۔شاخت سی۔ای۔بوزورتھ
5۔ تاریخ افکار وعلوم اسلامی	:	راغب الطباح / اردو ترجمہ افتخار احمد بلخی

۔:oOo:۔

اکائی 3: عباسی دور میں عقلی علوم کی ترقی

اکائی کی ساخت

3.1 تمہید

3.2 مقصد

3.3 عقلی یا سیکولر علوم کا ارتقا

3.3.1 طب

3.3.2 فلکیات

3.3.3 فلسفہ

3.3.4 جغرافیہ اور طبیعیات

3.4 فنون لطیفہ

3.5 فن تعمیر

3.6 اکتسابی نتائج

3.7 نمونہ امتحانی سوالات

3.8 فرہنگ

3.9 تجویز کردہ کتابیں

3.1 تمہید

گزشتہ اکائی میں عہد عباسی کے علمی وتہذیبی ماحول، دوسری زبانوں سے مختلف موضوعات پر عربی میں ترجمے کی تحریک، عباسی خلفا وامرا کی اس تحریک کی سرپرستی اور اس میں ان کی حصہ داری پر روشنی ڈالی جا چکی۔ یہاں یہ بتایا جائے گا کہ نقلی یا سیکولر علوم وفنون کی مختلف شاخوں میں اس عہد میں کیا اضافے اور ترقیاں ہوئیں۔ مزید برآں کن شخصیات نے اس میں اہم اور تاریخی کردار ادا کیا؟ نیز اس عہد کے فنون لطیفہ اور فن تعمیر پر روشنی ڈالی جائے گی۔

3.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبا اس حقیقت سے واقف ہوجائیں گے کہ عقلی علوم وفنون لطیفہ کے تعلق سے دور عباسی کی خصوصیات کیا ہیں، اس دور میں ان کا ارتقا کن خطوط پر اور کن وجوہات کی بنا پر ہوا۔ اسی کے ساتھ طلبا اس کے اسباب وعوامل اور مستقبل کے تناظر میں اس کے اثرات اور نتائج سے بھی واقف ہوسکیں گے۔

3.3 عقلی یا سیکولر علوم کا ارتقا

ترجمے کی تحریک کے تحت آپ مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں منتقل کیے جانے کی تفصیل پڑھ چکے ہیں۔ اس تعلق سے یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ کام صرف ترجمے یا ترجمہ کردہ کتابوں کی شرحوں تک ہی محدود نہ رہا جیسا کہ بعض مستشرقین نے باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ یہ ایک زمین یا بنیاد تھی جس پر مسلمانوں نے نہایت بلندو بالا عمارت تعمیر کی اور اس تعلق سے عہد عباسی کو خصوصی طور پر اہمیت حاصل ہے۔ فلکیات، ریاضیات، فلسفہ، جغرافیہ وغیرہ جن کی مختلف زبانوں سے ترجمہ کے بارے میں آپ ترجمہ کی تحریک کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں ان تمام علوم میں اس عہد میں زبردست کام ہوا۔ ان علوم کے حوالے سے تاریخ ساز علما اور شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے انہیں عروج وترقی کے منازل سے ہم کنار کیا۔

3.3.1 طب (Medicine)

شروع میں اس عہد میں سب سے زیادہ توجہ طب اور نجوم (یا فلکیات) پر مرکوز رہی۔ اگرچہ اموی دور میں خالد بن یزید کے حکم سے ترجمہ کی جانے والی کتابوں میں طب کے موضوع کو بھی شامل کیا گیا تھا تاہم دوسرے علوم کی طرح یہ بھی اس عہد میں اسلامی دنیا کے مخصوص حالات کے بنا پر ابتدائی شکل سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔ عباسیوں نے اس کو بہت زیادہ اہمیت دی، جس کی ضرورت اظہر من الشمس تھی۔ خلفا کی خود اپنی صحت کی فکر اور بعض امراض کے پھیلاؤ نے اس میں علمی وتحقیقی کاوشوں کو مہمیز کیا۔ طب پر اس عہد میں بے شمار کتابیں لکھی اور ترجمہ کی گئیں۔ خلفا نے متعدد اسپتال قائم کیے جنھیں فارسی لفظ 'بیمارستان' سے موسوم کیا جاتا تھا اور جہاں طب پر تحقیق کا کام بھی ہوتا تھا۔ عہد وسطیٰ میں استعمال ہونے والے بہت سے طبی آلات کی ایجادات کا سہرا بھی اس عہد کے سر ہے۔ طب کی ابتدائی درس گاہیں، کتب ادویہ یا قرابادین (Pharmacopoeia) عطاری کی دکانیں اسی عہد میں سامنے آئیں۔ طب نے اس عہد میں انتہائی ترقی یافتہ اور نفع بخش علم کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ مامون ومعتصم نے دواسازی کے لیے باضابطہ اہلیتی امتحان سے گزرنا ضروری قرار دیا تھا۔ مقتدر باللہ کے عہد میں صرف بغداد میں ایسے 860 اطبا تھے جنھیں باضابطہ امتحان کے بعد طب کی سند (اجازۃ) عطا کی گئی تھی۔ اطبا کی مقبولیت اور کثرت کا عالم یہ تھا کہ متوکل کے دربار میں صرف ماہر نصرانی اطبا کی تعداد 56 تھی۔ سیف الدولہ جب دسترخوان پر بیٹھتا تھا تو اس کے ساتھ 24 اطبا بھی شریک طعام ہوا کرتے تھے۔ فوج کے لیے الگ سے اطبا کا تعین کیا جاتا تھا۔ مالی سطح پر اس سے زیادہ نفع بخش پیشہ کوئی اور نہ تھا۔ ہارون و مامون کے طبیب جبرئیل بن بختیشوع نے اس کے ذریعہ جو دولت کمائی تھی اس کی مقدار مورخین نے 88,800,000 لکھی ہے۔

ابوبکر رازی اور ابوعلی ابن سینا (مغربی زبانوں میں بالترتیب Rhazes اور Avicenna) علی بن العباس، علی بن عیسیٰ اور ابن جزلہ جیسے بہت سے اہم اطبا اس دور میں پیدا ہوئے۔ رازی اور ابن سینا کی قلمی تصویریں پیرس یونیورسٹی کے اسکول آف میڈیسین کے عظیم ہال میں ان کے عظمت کے اعتراف میں آویزاں ہیں۔ ابن سینا کی کتاب القانون فی الطب اور ابوبکر رازی کی کتابیں: کتاب الحاوی، کتاب الطب

المنصوری، کتاب الجدری والحصبہ اور دوسری کتابیں مشرق ومغرب میں صدیوں تک طب کی اساس بنی رہیں۔ القانون کو یورپ کے بعض مفکرین نے 'طب کی انجیل' لکھا ہے۔ جارج سارٹن اور ول ڈوران جیسے بہت سے مغربی فضلا رازی کو قرون وسطیٰ کی سب سے اہم علمی شخصیت گردانتے ہیں۔ اس عہد میں طب پر لکھی گئی کتابوں اور تحقیقات وانکشافات پر صدیوں یورپ کا انحصار رہا۔

3.3.2 فلکیات (Astronomy)

فلکیات پر بھی عہد عباسی کی ابتدا میں ہی توجہ دی گئی۔ سنسکرت کے مصنف برہم گپت کی کتاب 'سدھانت' (عربی میں: السندھند) اس کی بنیاد بنی، دوسری صدی کے نصف آخر میں یعقوب بن طارق نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ اس نے ایک زیچ (Ephemeris) بھی تیار کیا۔ اس زمانے میں مسلمان ایرانی فلکیات سے بھی واقف ہوئے اور 'زیک شتروایاز' کا زیج الشاہ یا زیج الشہر یار کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا۔ بطلیموس کی کتاب المجسطی (Almagest) کا ترجمہ متعدد مرتبہ عربی میں کیا گیا۔ اور اس طرح ہندوستان، فارس اور ایران کے اس موضوع سے متعلق علمی ورثے عباسی عہد کے علما ہی آگے آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا اہم ذریعہ بنے۔
حرکات فلکی کا باضابطہ مشاہدہ منصور کے زیر نگرانی کیا گیا اور المجسطی کے تمام بنیادی اصول ونظریات کی صحیح نتائج سے تصدیق بھی کی گئی۔ مامون رشید کے عہد میں محلہ شماسیہ میں رصدگاہ (Observatory) تعمیر کی گئی۔ مامون ہی کے دور میں دوسری رصدگاہ دمشق میں جبل قاسیون پر تعمیر کی گئی۔ ان کے علاوہ بنوموسیٰ بن شاکر نے خود اپنے مکان کے اندر ایک رصدگاہ تعمیر کی جس کے ذریعہ وہ فلکی مشاہدے کرتے تھے۔ بتّانی (وفات: 317ھ) نے 877ء سے 918ء تک دریائے فرات کے کنارے الرقہ کے مقام پر فلکی مشاہدات کیے۔ نویں صدی میں فلکیات کے ماہرین کی مختلف جماعتیں شیراز، نیشاپور، سمرقند وغیرہ میں فلکی مشاہدات میں مشغول رہیں۔ دسویں صدی کے نصف ثانی میں آل بویہ نے اپنے محل میں رصدگاہ تعمیر کی۔ اس عہد میں متعدد فلکیاتی جدولیں بھی مرتب کی گئیں، جنہیں 'زیج' کا نام دیا گیا تھا جو فارسی لفظ 'زیک' کا معرب ہے۔ عہد عباسی کے شروع سے دسویں صدی کے اختتام تک پچاسوں علما نے اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صرف ابو اسحاق کندی نے اس موضوع پر 23 کتابیں لکھیں حالانکہ اس کا اصل میدان فلسفہ تھا۔
اس عہد میں اس موضوع کی جو قد آور شخصیات پیدا ہوئیں ان میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی، ابوالریحان البیرونی اور البتانی وغیرہ مشہور ہیں۔ الخوارزمی کی بنائی ہوئی زیج کم سے کم دوسو سالوں تک فلکیات کے ماہرین کا مرجع رہی۔ البیرونی اور البتانی کی خدمات کا یورپ کے بہت سے فضلا نے واضح اعتراف کیا ہے۔ ثانی الذکر نے بطلیموس کی بہت سی غلطیوں کی نشان دہی بھی کی۔

3.3.3 فلسفہ (Philosophy)

فلسفے کے لیے عہد عباسی خاص طور پر معروف ہے۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، اس کا اصل سہرا مامون کے سر جاتا ہے جسے حکمائے یونان خصوصاً ارسطو کی کتابوں سے انتہائی شغف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ فلسفے کی طرف اس کا رجحان خواب میں ارسطو کو دیکھ کر ہوا تھا۔ فلسفہ کو اس عہد میں عروج تک پہنچانے والوں میں ابواسحاق کندی، ابونصر فارابی، ابوعلی ابن سینا، اخوان الصفا اور الغزالی وغیرہ کا نام آتا ہے۔ کندی کو فیلسوف العرب کہا جاتا ہے۔ اس نے تقریباً 20 یا 22 کتابیں فلسفہ میں لکھیں۔ اسی طرح بہت سی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا۔ اس کے بعد دوسرا اہم نام ابونصر الفارابی کا ہے جسے معلم ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (معلم اول ارسطو کو کہا جاتا ہے) فارابی نے فلسفہ ومنطق میں تقریباً 50

کتابیں لکھیں۔ ارسطو کی بہت سی کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ فارابی کے بعد اس عہد کی سب سے بڑی شخصیت ابوعلی ابن سینا کی ہے جن کی کتاب الشفا کو یورپ میں خاص طور پر بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ راجر بیکن جیسا شخص انہیں ارسطو کے بعد فلسفے کا بادشاہ اور رہنما قرار دیتا ہے۔ فلپ کے ہٹی نے لکھا ہے:

'یونانی فلسفے کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کا عمل کندی سے شروع ہوا جو عرب تھا، فارابی نے اسے جاری رکھا، جو ترک تھا اور مشرق میں ابن سینا نے اسے مکمل کیا جو ایرانی تھا۔' (ہسٹری آف دی عربس ص: 731)

اخوان الصفا کا تعلق بھی اسی عہد سے ہے جن کی فکر کے اثرات کو یورپ نے باضابطہ قبول کیا۔

بہرحال فلسفے کا پورا سرمایہ جو بعد میں مسلمانوں کے ذریعہ یورپ تک پہنچا وہ اسی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔

3.3.4 جغرافیہ اور طبعیات (Geography and Physics)

جغرافیہ اور طبعیات کو بھی اسی عہد میں ترقی ملی۔ کندی نے سب سے پہلے نظری طبعیات میں کتابیں لکھیں۔ اس موضوع پر انہوں نے 44 چھوٹے بڑے رسالے تحریر کیے۔ وہ بصریات (Optics) کے موجد تصور کیے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر انہوں نے دو کتابیں لکھیں جن میں 'علم البصر' اہم ہے۔ بصریات میں سب سے اہم نام ابن الہیثم کا ہے۔ اس نے ایسے تاریخ ساز کارنامے انجام دیے جن پر آگے چل کر اس فن کی عمارت کھڑی کی گئی۔ رازی، ابوعلی ابن سینا، البیرونی نے بھی طبعیات کو موضوع بنا کر اس علم کو آگے بڑھایا۔ ابن سینا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جتنے بڑے فلسفی اور ماہر طبعیات تھے، اتنے بڑے طبیب نہ تھے۔ انہوں نے طبعیات میں اجسام طبعی کے لاحقات، حرکت، سکون، زمان، مکان، خلا اور اتصال وغیرہ پر عالمانہ بحثیں کیں۔ البیرونی نے طبعیات کے تعقل سے ارسطو کے نظریات کا رد کیا۔ غزالی نے بھی جن کی فلسفی اور مرد دینیات کی حیثیت سے شہرت ہے، طبعیات میں اپنے نقوش چھوڑے ہیں۔

مامون کے عہد میں خوارزمی نے جغرافیہ کے موضوع پر صورۃ الارض کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ پھر دوسری کتاب اس عہد میں المسالک و الممالک کے نام سے لکھی گئی جس کا مصنف ابن خردازبہ تھا۔ اسے مسلم جغرافیہ کا باوا آدم تصور کیا جاتا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں یعقوبی نے کتاب البلدان لکھی، قدامہ بن جعفر، ابن الفقیہہ، ابن رستہ، ابن حائک، ابن فصلان، اصطخری، یاقت حموی وغیرہ نے اس موضوع پر جغرافیہ عام اور جغرافیہ خاص کے تحت عملی سطح پر تمام اسلامی ممالک یا بعض شہروں سے متعلق جغرافیہ پر کتابیں لکھیں۔ مقدسی کی احسن التقاسیم فی صور الاقالیم اس عہد میں جغرافیہ میں لکھی گئی کتابوں میں اہم درجہ رکھتی ہے۔

ریاضیات (Mathematics) کیمیا (Chemistry) میکانکس اور ان کی مختلف شاخوں کو بھی اس عہد میں ترقی حاصل ہوئی۔ اسی کے ساتھ نباتیات، حیوانیات، معدنیات، علم زراعت، موسیقی جیسے علوم پر اس عہد میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور مشاہدات و تجربات کے ذریعے انہیں آگے لے جانے کی کوشش کی گئی۔ الخوارزمی نے حساب و الجبرا کے موجد کی حیثیت سے اور بنوموسیٰ شاکر نے جیومٹری میں اس عہد میں اہم مقام حاصل کیا۔ جابر بن حیان کو کیمیا میں شہرت ملی۔ نباتیات میں ابوحنیفہ الدینوری، ابن البیطار، علی بن عیسیٰ اور جاحظ نے کتابیں لکھیں۔ ابن سینا اور البیرونی نے بھی بالترتیب اپنی کتابوں: القانون اور الصیدلہ فی الطب کے ذریعہ اس علم میں کافی اضافے کیے۔ ابوعبیدہ اور جاحظ وغیرہ نے حیوانیات میں، ابن حیان، جاحظ، البیرونی اور نصیرالدین طوسی وغیرہ نے معدنیات میں کتابیں لکھیں۔

ان علوم کے علاوہ عباسی عہد کی تاریخ، شعر و ادب اور لسانیات وغیرہ کے حوالے سے بھی ممتاز طور پر شناخت کی جاتی ہے۔ اگرچہ عہد بنو امیہ میں تقریباً یہ تینوں علوم موجود تھے۔ تاہم عباسی عہد میں ان میں سے ہر ایک نے انتہائی ترقی حاصل کی۔ عباسی عہد کی ابتدا میں تاریخ کے تعلق سے سیرت، مغازی اور تذکرہ وطبقات سے متعلق کتابیں زیادہ لکھی گئیں۔ پھر تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی میں اس میں ابن عبدالحکم، طبری، بلاذری، ابن طیفور، الیعقوبی، المسعودی، ابوبکر الخطیب اور ابن مسکویہ وغیرہ نے اہم کتابیں تصنیف کیں۔ نحو ولغت کے ڈھانچے کی تشکیل اسی عہد میں ہوئی۔ نحو ولغت کے اہم ماہرین اور ان کی کتابیں جو آج بھی بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں عہد عباسی کی رہین منت ہیں۔

3.4 فنون لطیفہ

فنون لطیفہ کے ذیل میں مختلف چیزیں آتی ہیں۔ عمارت سازی، مصوری، مجسمہ سازی، نقاشی، موسیقی وغیرہ۔ ان فنون میں مجسمہ سازی ہی صرف ایسا فن ہے جس پر صحیح معنوں میں کسی بھی مسلم عہد میں توجہ نہیں دی گئی۔ اگرچہ یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اسے ہاتھ نہیں لگایا گیا ہے۔ بے اعتنائی کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ فنون میں عمارت سازی کو مسلم حکمرانوں کے اکثر عہدوں میں کافی مقبولیت حاصل رہی۔ اموی حکمرانوں نے پرشکوہ اور قابل رشک عمارتیں بنوائیں جن کی باقیات میں سے جامع اموی (دمشق) اور قبۃ الصخرہ (فلسطین) اب بھی قابل دید ہیں۔ عہد عباسی میں تمدنی ارتقا کے زیر اثر اور رومی وایرانی شان وشوکت کی نقل میں بڑے قلعے اور محلات تعمیر کیے گئے۔ منصور نے بغداد میں اپنے لیے قصر الخلافہ، باب الذہب، اسی طرح 'رصافہ' میں اپنے بیٹے مہدی کے لیے قصر تعمیر کروایا۔ معتضد نے قصر الثریا اور قصر التاج کی تعمیر کروائی۔ متوکل کو خاص طور پر عمارتیں بنوانے کا بے حد شوق تھا۔ اس نے 'جعفری' اور 'لولوۃ' کے نام سے محل بنوائے۔ بنی بویہ میں معزالدولہ اور عضدالدولہ کو تعمیر سے کافی دلچسپی تھی۔ انہوں نے بہت سے تعمیراتی کام کیے۔ قصور ومحلات کے علاوہ عباسی عہد میں بہت سی مسجدیں، شفاخانے، مدارس، حمام اور پل وغیرہ تعمیر ہوئے۔ مساجد میں سامرّا، قیروان اور تیونس کی مساجد اہم ہیں۔ سامرّا کی المسجد الکبیر جسے متوکل نے بنوایا تھا کا 'اللّویہ' مینار اس عہد کی اہم یادگار ہے۔ ہلاکو کے ہاتھوں بغداد کی تباہی (1258ء) اور طبعی حوادث کے نتیجہ میں زیادہ تر عمارتوں کی جائے وقوع کا اندازہ بھی لگانا مشکل ہے۔ بہرحال تعمیرات کے اعتبار سے بھی عہد عباسی کو خصوصی اہمیت وامتیاز حاصل ہے۔

اگرچہ مصوری کا فن بھی فقہا کے نزدیک ممنوع تھا لیکن اس کی ممانعت متفق علیہ نہ تھی۔ اس لیے اس کے بکثرت نمونے عہد عباسی اور اس کے بعد کے مسلم عہدوں میں نظر آتے ہیں۔ دیواروں، کپڑوں اور کتابوں کو تصویروں سے مزین کرنے کا رواج عباسی عہد میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ منصور کے محل کے گنبد پر ایک شہسوار کی تصویر تھی۔ اسی طرح الامین کی تفریحی کشتی پر شیر، شاہین اور مچھلیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ مقتدر کے محل میں سونے اور چاندی کا بنا ہوا ایک درخت تھا۔ جس کی اٹھارہ شاخیں محل کے ایک تالاب میں نصب کی گئی تھیں اور اس تالاب کے ہر طرف پندرہ شہ سواروں کے مجسمے تھے جو اس طرح گردش کرتے تھے جیسے میدان جنگ میں لڑ رہے ہوں۔ متوکل کے شاہی محل کی جو نقش و نگارش کی گئی تھی اس میں چرچ کے ساتھ راہبوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں۔ تصویری آرٹ کو عباسی عہد کے اخیر میں کتابوں کو مصور کرنے کے طور پر بھی استعمال کیا جانے لگا تھا۔ عبدالرحمان الصوفی کی فلکیات پر کتاب 'الکواکب الثابتۃ' اسی نوع کی کتاب ہے۔

فارسی اثرات کے تحت اس عہد میں نقاشی نے مصوری سے زیادہ ترقی کی۔ کیوں کہ اس میں مذہبی ذہنوں کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ مصوری کے میدان کی بہت سی فطری صلاحیتوں کو اس میدان میں پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ بلو، چینی (Ceramics) اور دھات کی ظروف

سازی (Metallic lusterware) کے فن میں خاص طور پر جدتیں آئیں۔ظروف کے علاوہ استعمال و آرائش کے دوسرے سامان، نیز قالین، فانوس، پردے وغیرہ پر کی گئی نقاشی وکشیدہ کاری نے دور دور تک شہرت حاصل کی۔کاشانی ٹائلوں سے عمارت کی داخلی و بیرونی آرائش کی جاتی تھی جن پر بیل بوٹے بنے ہوتے تھے۔دمشق،فسطاط (مصر) اور بغداد کی اس قبیل کی چیزیں اب بھی بعض عجائب گھروں میں موجود ہیں۔

خطاطی کو اسلامی فن کی حیثیت سے اس عہد میں کافی عروج حاصل ہوا جس کی تحریک قرآن کو خوب صورت انداز میں پڑھنے کی طرح خوب صورت شکل میں لکھنے سے ملی تھی۔کئی ایک رسم الخط کی ایجاد اسی عہد میں ہوئی۔الریحانی مامون کے دور سے تعلق رکھتا ہے جس کے نام سے خط ریحانی مشہور ہے۔کئی ایک رسم الخط کا موجد ابن مقلہ، خط محقق کا موجد ابن البواب، یاقوتی طرز کا موجد یاقوت مستعصمی عہد عباسی سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

اسلامی دنیا میں موسیقی کا فن فارسیوں اور یونانیوں سے آیا۔سعید ابن مسجح کے ذریعہ پہلے پہل عرب اس سے متعارف ہوئے۔عباسی عہد میں تمدن کے ارتقا اور عیش ونشاط کی کثرت کے نتیجہ میں اس فن میں ترقی حاصل ہوئی۔اس میں پیش پیش فارسی نژاد لوگ تھے۔پھر عربوں کی بھی ایک بڑی تعداد اس سے دل چسپی لینے لگی۔خلیل بن احمد جیسے ماہر لغت اور فارابی جیسے فلسفی تک نے فن موسیقی پر کتابیں لکھیں۔ہارون و مامون کے عہد میں متعدد اہم کتابیں لکھی گئیں۔اور عربی ذوق کے مطابق فن موسیقی کی ترتیب وتنقیح کی گئی۔عربی کے مختلف آلات اس عہد میں ایجاد ہوئے جس میں 'قانون' بھی شامل ہے۔

ان تفصیلات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عہد عباسی میں جس طرح دینی اور سیکولر علوم کو فروغ حاصل ہوا اسی کے پہلو بہ پہلو مختلف فنون بشمول فنون لطیفہ کو بھی وسعت واستحکام حاصل ہوا۔

3.5 فن تعمیر

کہتے ہیں کہ کسی تہذیب یا سماج کے معیار زندگی کا اندازہ کرنا ہو تو اسکے فن تعمیر میں اس کی مکمل تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔اس کے مقاصد زندگی، ان کی تکمیل کے لیے قوت اظہار اور اظہار میں بلندی خیال کے مطالعے کے لیے فن تعمیر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔فن تعمیر کی تعریف پروفیسر محمد مجیب نے اس طرح کی ہے:فن تعمیر دراصل پیکر کو الفاظ میں اور الفاظ کو پیکر میں ڈھالنا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ فن تعمیر مسلمانوں کا محبوب اور مخصوص فن تھا اور مسلمانوں نے اپنے جمالیاتی حس اور ذوق کا بھرپور مظاہرہ وسیع پیمانے پر فن تعمیر میں کیا ہے۔مساجد، مدارس، مقابر،قصور ومحلات، حمام،شفاخانے اور باغات کی شکل میں مسلمانوں کے مخصوص فن تعمیر کے نمونوں سے خطہ ارض کا وسیع حصہ مزین دکھائی دیتا ہے۔

فن تعمیر کے ارتقا کے اعتبار سے عہد عباسی اسلامی تاریخ کا ممتاز ترین دور رہا ہے۔اس دور میں خلفا کی سرپرستی میں فن تعمیر کو خوب خوب ترقی ملی۔پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح نے عباسی خلافت قائم کرنے کے بعد پرانے شہر انبار کے مقام پر 134ھ /752ء میں اپنا نیا دار الخلافہ قائم کیا اور اسے ہاشمیہ کے نام موسوم کیا اور اسے مدینۃ المنصور بھی کہتے تھے۔یہ شہر دریائے فرات کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔اس میں خلیفہ کے محلات، سرکاری دفاتر کی عمارتیں، وزرا، امرا، عمال وغیرہ کے مکانات اور بازار، مسجدیں پل اور سڑکیں تعمیر کی گئی تھیں۔ان تعمیرات میں وہیں سے حاصل کردہ پہاڑی پتھروں کا استعمال کیا گیا تھا، لیکن اس مقام پر دار الخلافہ زیادہ دن قائم نہ رہ سکا کیونکہ ابوجعفر منصور کے دور میں

جب عباسی حکومت کی بنیاد پوری طرح مستحکم ہوگئی تو اس نے بغداد تعمیر کروا کر اسے اپنا نیا دارالخلافہ بنایا۔

☆ شہر بغداد کی تعمیر:

عباسی فن تعمیر کا اصل شاہکار شہر بغداد کی تعمیر ہے دارالخلافہ بغداد کی تعمیر عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے اس شہر کی تعمیر کے لیے بڑا اہتمام کیا گیا، ماہرین نے پہلے مختلف پہلوؤں سے متعدد مقامات کا بر موقع معائنہ کرنے اور تحقیق کرنے کے بعد بغداد نامی گاؤں کو پسند کیا جہاں کی آب وہوا خوش گوار اور زمین سرسبز وشاداب اور علاقہ خوبصورت تھا۔دریائے دجلہ اسکے قریب سے گزرتا تھا چنانچہ پانی اور سبزہ کی فراوانی تھی ۔شہر کی تعمیر سے پہلے ماہر انجنیئروں اور معماروں نے شہر کا تفصیلی نقشہ تیار کیا، پھر اس شہر کی تعمیر کے لیے دنیا کے مختلف گوشوں سے اعلیٰ درجہ کے سنگ تراش، بڑھئی، نقاش، فنکار اور معمار، خطاط، مزدور اور کاریگر جمع کئے گئے، اس کے علاوہ تعمیر کا ضروری سامان جیسے سنگ مرمر، آبنوس، صندل کی لکڑی وغیرہ کثیر مقدار میں منگائی گئی، پھر ایک باقاعدہ منصوبہ اور نقشہ کے مطابق اس شہر کی تعمیر کا کام 136ھ / 754ء میں شروع ہوا۔

بغداد شہر کا نقشہ دائرہ نما تھا، اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کا پہلا مدور شہر تھا جس کے اطراف اندرونی فصیل اور ایک بیرونی فصیل تھی اور جس پر مدور برجیاں بنائی گئی تھیں، اس میں چار دروازے چار سمت میں بنائے گئے تھے، ان دروازوں کے نام اپنی اپنی سمت کے اہم شہروں کی مناسبت سے رکھے گئے تھے جن کے نام یہ تھے: باب الکوفہ، باب الشام، باب البصرہ اور باب الخراسان۔ان میں بلند پھاٹک لگے تھے جو لوہے کی سلاخوں سے بنے تھے جن میں سے ہوکر گھڑ سوار اپنے علم کے ساتھ گزر سکتا تھا، پھاٹکوں کے اوپر اونچے اونچے برج تھے۔شہر پناہ پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی، ہر دروازہ خلیفہ کے محل سے مساوی فاصلے پر بنایا گیا تھا اور ان میں سے ہر ایک پر قبہ تعمیر کیا گیا تھا۔شہر پناہ کے نچلے حصے کی چوڑائی پچاس ہاتھ تھی جو اوپر کی جانب بتدریج کم ہوتی چلی گئی تھی یہاں تک کے اوپری حصہ صرف بیس ہاتھ چوڑا رہ گیا تھا۔شہر پناہ کو چاروں جانب سے چوڑی خندق کے ذریعہ گھیر دیا گیا تھا۔

شہر بغداد کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا؛ مرکزی حصہ میں خلیفہ کا محل اور دوسری سرکاری عمارتیں نیز خلیفہ کے فوج کی بیرکیں اور جامع مسجد تھی، یہ مسجد سرخ سنگ مرمر کی بنی تھی، اس کی دیواروں پر عربی رسم الخط سے خطاطی کی گئی تھی، جو کوفی خط کہلاتا تھا، اندرون مسجد کی چھت سرخ رنگ کی ستونوں پر بنایا گیا تھا اور اس پر ایرانی طرز کے نقش ونگار تھے۔خلیفہ کے محل اور مسجد کے آگے ایک خالی میدان تھا جس کے کنارے خلیفہ کے خاندان کے قصور ومحلات اور دیگر سرکاری ملازمین اور سرکاری افسران اور امرا کے محلات تعمیر تھے، اور وہیں خزانہ خراج اور سرکاری اسلحہ خانہ کی عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں، اور اس سے متصل دوسری سرکاری عمارتیں تھیں۔منصور کا شاہی محل شہر کے وسط میں واقع تھا، یہ شہر کا خوبصورت ترین اور عالی شان محل تھا، اس شاہی محل کو قصر الذہب (سونے کا محل) کہتے تھے، اس کے وسطی ہال پر اسی گز بلند ایک عظیم الشان گنبد تھا جو قبۃ الخضرا کہلاتا تھا، اس گنبد کا کلس سونے کا تھا۔اس کی چوٹی پر ایک گھڑ سوار کا مجسمہ نصب تھا، جسے پتھر سے تراش کر بنایا گیا تھا، جو شہر کے ہر گوشہ سے نظر آتا تھا، منصور کا شاہی محل شہر کی بلند ترین عمارت تھی جہاں سے پورے شہر کا معائنہ کیا جاسکتا تھا، اس محل میں داخل ہونے کے لیے ایک قیمتی دروازہ تھا جس پر سونے کا ملمع تھا اس کو باب الذہب (سونے کا دروازہ) کہتے تھے، محل کے اندر کا فرش سفید سنگ مرمر کے ٹائلس سے مزین تھا جنہیں ایران سے منگایا گیا تھا اس محل میں متعدد عالی شان کمرے تھے جن کے دروازے عموماً لکڑی کے بنے تھے اور ان

پر ایرانی طرز کے بہترین نقش ونگار تھے،شاہی کمروں میں ستون ہاتھی دانت کے اور چھت لکڑی کی تھی جس پر پالش کی گئی تھی۔

کچھ ہی عرصہ میں آبادی میں اضافہ ہوجانے کی وجہ سے خلیفہ نے اپنے لیے شہر بغداد سے باہر دجلہ کے کنارے 775ء میں ایک دوسرا محل بنوایا جو اپنی خوبصورتی اور آرائش وزیبائش کے لحاظ سے ''قصر الخلد'' کہلاتا تھا، اس محل میں جالی دار کھڑکیاں، اور روشن دان بنائے گئے تھے اور تعمیر میں سفید سنگ مرمر کا کثرت سے استعمال ہوا تھا،جس کی وجہ سے یہ محل واقعی حسن تعمیر میں لاجواب بن گیا تھا۔

ایوان خلافت سے ہر دروازے تک وسیع وعریض سڑکیں نکالی گئی تھیں اور ان وسیع شاہراہوں سے خاص زاویہ پر متعدد چھوٹی چھوٹی سڑکیں نکالی گئی تھیں، جو شہر کے تمام حصوں کو مرکز خلافت سے جوڑ دیتی تھیں ان سڑکوں کے دونوں جانب ترتیب کے ساتھ مکانات تعمیر کیے گئے تھے۔

شہر کے دوسرے حصے میں امرا وارا کین حکومت کے قصور ومحلات اور دفاتر تعمیر کیے تھے۔تیسرے حصے میں عام آبادی تھی ہر قبیلہ اور ہر طبقہ کے محلے الگ الگ تھے اور چوتھے حصے میں بازار تھے جو مختلف چیزوں کی صنعت وحرفت کے لحاظ سے بنائے گئے تھے۔ ہر محلہ، بازار اور آبادی کے ساتھ مناسب تعداد میں مسجدیں تعمیر کی گئی تھیں۔ان تعمیرات پر ایک کروڑ اسی لاکھ دینار خرچ ہوا تھا جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی۔اس شہر کی تعمیر میں پانچ سال کی مدت لگی جس کے دوران روزانہ ایک لاکھ مزدور اور کاریگر اور انجینئر کام کیا کرتے تھے۔

☆ شہر کرخ کی تعمیر:

وقت گذرنے ساتھ شہر بغداد کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا، گنجان آبادی سے صحت کے مسائل پیدا ہونے لگے، بازار اندرون شہر ہونے کے سبب آبادی پر نگاہ رکھنا مشکل تھا اور تحفظ کے انتظام کو خطرہ لاحق تھا اور انتظامی مشکلات بڑھتی جارہی تھیں۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے 157ھ/774ء میں بغداد سے باہر لیکن متصل ہی ایک دوسرا شہر کرخ نامی تعمیر کروایا۔ یہاں بازار، مساجد، سڑکیں اور انتظامی عمارتیں بنوائیں اور کرخ کا بازار شہر کی آبادی سے باہر دجلہ کے ساحل پر بنوایا اور سارے بازار وہاں منتقل کر دیئے۔ وہاں بھی مختلف چیزوں کے بازار الگ الگ بنائے گئے، ان بازاروں کے راستے چالیس گز چوڑے اور کشادہ تھے، اس پر پکی اینٹوں کو چونے سے جوڑا گیا تھا۔ وہاں آبادی کا کچھ حصہ بھی بسایا گیا، نیز ایک جامع مسجد بھی وسط شہر میں سرخ سنگ مرمر کی تعمیر کی گئی، اس کا فرش اور مینارے بھی سرخ سنگ مرمر کی تھیں، تقریباً تمام محلوں میں مسجدیں تعمیر کی گئیں اور پانی کی دستیابی کے لیے چھوٹی بڑی نہریں نکالی گئیں۔

یہاں کی عمارتوں میں ہاتھی دانت، آب نوس، صندل اور دیگر قیمتی لکڑیوں کا استعمال بکثرت کیا گیا۔ ہاتھی دانت کے ستون زیادہ تر عمارتوں میں لگائے گئے؛ لیکن آبنوس، صندل جیسی قیمتی لکڑیوں کا استعمال عموماً دروازے، کھڑکیوں اور چھتوں میں کیا گیا، نیز میز، کرسی، تخت، صراحی اور گلاس وغیرہ میں بھی کثرت سے استعمال کیا گیا۔

☆ شہر مہدیہ کی تعمیر:

خلیفہ منصور نے شہر بغداد کے مشرقی جانب ایک شہر محفوظہ آباد کیا، جسے اپنے ولی عہد مہدی کے نام سے منسوب کیا۔ مؤرخین اس شہر کی تعمیر کے کئی اسباب بیان کرتے ہیں، جن میں ایک سبب یہ ہے کہ بغداد کی آبادی میں مستقل اضافہ ہورہا تھا، لہٰذا آبادی کی کثرت کو کم کرنے کے لیے اس شہر کو آباد کیا گیا۔ ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے خلیفہ منصور کے سپاہی عجمی سرداروں کے ساتھ رہتے تھے، جن کے بارے میں منصور کو بخوبی علم تھا کہ وہ عباسی خاندان سے بغض عناد رکھتے ہیں، اس وجہ سے منصور اپنے عربی النسل فوجیوں کو ان کے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا تھا؛ چنانچہ منصور نے

شہر مہدیہ کی تعمیر کے بعد اپنی وفادار فوجوں کو یہاں منتقل کر دیا۔ فوجوں کی رہائش کے سبب یہ شہر مہدیہ کے علاوہ عسکر یہ مہدی بھی کہلاتا تھا۔ شہر مہدیہ کی تعمیر میں اس کی حفاظت اور مضبوطی کا خاص خیال رکھا گیا۔ اس شہر کے چاروں جانب بلند شہر پناہ تھی، جس کی تعمیر پتھروں سے ہوئی تھی، اس میں داخل ہونے کے لیے چار پھاٹک تھے۔ چاروں پھاٹکوں کو چہار دیواری میں بڑی مضبوطی سے نصب کیا گیا تھا۔ چاروں پھاٹک لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ فصیل کے ارد گرد خندق بھی کھودی گئی تھی۔

شہر مہدیہ کی آبادی کی ترتیب بھی بغداد کی آبادی کی طرح تھی۔ ہر طبقہ کے محلے جدا جدا تھے۔ ہر محلے میں ایک مسجد تھی، وسط شہر میں ایک جامع مسجد تھی۔ یہاں بھی بغداد اور کرخ کی طرح ہی مختلف چیزوں کے بازار الگ الگ تھے، کچھ ہی مدت میں بازاروں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ وہ دنیا کا بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ شہر مہدیہ دن بدن وسیع ہوتا گیا اور اس کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں صرف عوام کی آمد ورفت کے لیے عام سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ یہ سڑکیں پکی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھیں اور گلیاں زیادہ تر کچی تھی۔ ہر محلے کی گلیوں کو عام شاہ راہوں سے جوڑ دیا گیا تھا اور ہر محلے کی مسجد تک چار گلیاں ضرور جاتی تھیں، آبادی بڑھنے کے ساتھ مسجدوں کی تعمیر میں بھی اضافہ ہوا اور محلے، بازاروں اور مسجدوں میں کثرت سے حمام بھی بنائے گئے، اس طرح سے یہاں مسجدوں کی تعداد پندرہ ہزار اور حماموں کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ جب ولی عہد مہدی نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو مہدیہ کے رقبے کو اور وسیع کرایا۔ تعمیرات اور بازاروں کی شان وشوکت میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ اس طرح سے مہدی کے عہد میں یہ شہر اپنے پورے عروج پر پہنچ گیا۔

☆ قصر مہدیہ:

پورے شہر مہدیہ میں خلیفہ مہدی کا محل سب سے عالی شان اور بلند وبالا تھا۔ اس محل کے اطراف وجوانب میں خلیفہ کے ملازمین اور خدام کے گھر تعمیر تھے۔ قصر مہدیہ کے باہر ایک خوبصورت چمن تھا جس میں ایک نہر جاری تھی۔ محل کے اندرونی حصہ میں سرخ اور سفید پتھروں کا استعمال کثرت سے کیا گیا تھا۔ اس کے دروازوں اور دیوار میں بھی پتھر کا استعمال کیا گیا تھا۔ محل کے داخلی دروازے لوہے کے بنے تھے اور دیگر دروازے اور کھڑکیاں لکڑی کی تھیں جن پر عمدہ نقاشی کی گئی تھی۔ محل کے اندر غسل کرنے کے لیے سفید اور سرخ سنگ مرمر کے حوض بنائے گئے تھے۔ قصر کا دربار نہایت عالی شان تھا۔ اس کا فرش قیمتی مخملی قالین سے آراستہ تھا۔ در و دیوار اور ستون کو ریشمی کپڑوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور پردے لگائے گئے تھے جن پر سونے اور چاندی کے تاروں سے کام کیا گیا تھا۔ ان پر پھول، پتیاں اور بیل بوٹے وغیرہ بھی بنائے گئے تھے اور پردوں پر مختلف قسم کی تحریریں بھی تھیں۔

خلیفہ ہارون رشید نے بھی اپنے دور حکومت میں شہر مہدیہ کو مزید ترقی دی۔ خود اپنی رہائش کے لئے متعدد محل تعمیر کرائے، جن میں دریائے دجلہ کے کنارے تعمیر کردہ قصر رصافہ اپنی آرائش وزیبائش کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ اس محل کے در و دیوار اور ستون وفرش کو سفید سنگ مرمر کے ٹائلس سے آراستہ کیا گیا تھا اور فرش وستون پر پچکاری کے عمدہ ڈیزائن بنائے گئے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید کے خاص محل میں پورے ستون ہاتھی دانت کے تھے اور دیوار وفرش سنگ مرمر کے تھے، دروازے، کھڑکیاں اور روشن دان لکڑی کے تھے جن پر بہترین نقاشی کی گئی تھی۔ خلیفہ ہارون رشید کی صاحب زادی ام حبیبہ نے بھی اپنے لیے ایک عالی شان محل تعمیر کروایا جو قصر ام الحبیب کہلاتا تھا۔ اس محل میں متعدد کھڑکیاں، دروازے اور جھاڑ فانوس تھے۔ اس محل میں سفید سنگ مرمر کے ستون اور فرش تھے۔ اس کی چھت میں خوبصورت نقش ونگار تھے۔ اس محل کے

دروازے میں قیمتی، ریشمی کپڑوں کے پردے تھے اور فرش عمدہ قسم کے قالینوں سے مزین تھے۔

خلیفہ ہارون رشید کے برمکی وزرا نے مہدیہ کے قریب بغداد کی مشرقی جانب ایک خوبصورت شہر شمسیہ تعمیر کروایا یہاں عالی شان محل وباغات تعمیر کرائے۔ برمکی وزرا کے محل فن تعمیر کا بہترین نمومہ تھے۔ جعفر بن یحییٰ برمکی کا محل قصر جعفری بہت خوبصورت تھا جس کی تعمیر پر دو کروڑ درہم صرف ہوے تھے۔ اس محل میں جگہ جگہ قیمتی ہیرے جواہرات نصب کیے گئے تھے ستونوں اور محرابوں پر رنگین اور چمکدار ہیرے لگائے گئے تھے اور جعفر برمکی کے تخت پر سونے کا ملمع چڑھا تھا جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوے تھے۔

☆ سامرا کی تعمیر:

عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے دجلہ کے کنارے بغداد سے شمال میں ساٹھ میل کے فاصلے پر سامرا تعمیر کروایا۔ یہ شہر حسن تعمیر میں لاجواب تھا۔ اس شہر کی تعمیر کی اصل وجہ عرب اور ترکی فوج کی آویزشیں تھیں اور عوام ترکوں کو پسند نہیں کرتی تھی، نیز ترک فوجی دستے اہل بغداد کے لیے باعث زحمت بھی بن گئے تھے۔ خلیفہ معتصم باللہ نے سامرا کو تعمیر کروا کر ترک فوجوں کو یہاں منتقل کر دیا۔ یہاں ترک فوجوں کے لیے بیرکیں، بازار اور اپنے لیے محل وباغات اور ایک جامع مسجد منوائی۔ سامرا میں جگہ جگہ فوجی چھاؤنیاں اور بیرکیں تھیں۔ امرا، جانشینوں، شہزادوں اور سپہ سالاروں کے عالی شان محلات تھے، اس کے بعد عام آدمی کے محلات اور بازار اور مساجد تھیں۔ سامرا کے محلوں کی تعمیر میں خاص طور سے ساگوان، شیشم اور ساکھو کی لکڑیاں اور رنگین تراشے ہوئے پتھروں کا استعمال کیا گیا تھا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے بازار شہر کے باہر آباد کروایا تھا۔ اس شہر میں خاص طور پر ترکوں کی آبادی کو عام آبادی سے بالکل الگ رکھا گیا تھا اور ان کی خرید وفروخت کے لیے بازار بھی الگ رکھے گئے تھے۔ خلیفہ معتصم باللہ نے سامرا کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد اپنا دار الخلافہ بغداد سے سامرہ منتقل کر دیا تھا۔ سامرا کے دار الحکومت بننے کے بعد عوام بغداد کے مقابلہ سامرا کو فوقیت دینے لگے اور سامرا کی قدر ومنزلت بڑھ گئی۔

اس شہر میں خلیفہ معتصم نے اپنے لیے کئی خوبصورت اور عالی شان محل بنوائے، ان محلوں کی خصوصیت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان میں سب سے پہلی مرتبہ فن مصوری کا استعمال کیا گیا، اور سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کا استعمال جاندار تصویروں کی شکل میں ہوا، ان میں شکار کے مناظر پیش کیے گئے، پھر واثق باللہ نے اپنے دور حکومت میں سامرہ کی شان وشوکت اور تعمیرات میں اضافہ کیا۔ خلیفہ واثق باللہ نے یہاں قصر ہارون نامی عالی شان محل بنوایا جو دریائے دجلہ کے ساحل پر واقع تھا۔ واثق کے بعد خلیفہ متوکل علی اللہ نے اپنے عہد میں قصر ہارونی میں اضافہ کیا اور اس کی آرائش وزیبائش اور شان وشوکت کو دوبالا کیا۔ اس میں جھاڑ فانوس، قندیلوں اور جھروکوں کا اضافہ کیا اور ایران سے شاندار قالین منگوا کر اس کے فرش کو سجایا۔ خلیفہ متوکل نے ایک عالی شان مسجد بنوائی جس کا طول 260 گز اور عرض 180 گز تھا، دیوار صحن پر کنگورے اور گنبد تھے، اس مسجد میں فوارہ بھی تھا یہ فوارہ حوض کے وسط میں لگوایا گیا تھا۔ سامرہ کی جامع مسجد کے لیے خلیفہ متوکل نے ایک بلند وبالا مینار تعمیر کروایا جو عباسی طرز تعمیر کا نادر نمونہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ مینار حلزونی شکل کا ہے، جس کی بلندی 52 میٹر ہے، جو 2 چوکور چبوتروں پر قائم ہے، اس پر اسطوانی شکل کی 5 منزلہ مینار کی عمارت قائم ہے جس کی چوڑائی بلندی کے ساتھ رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی ہے، مینار کے اطراف دو میٹر چوٹی سیڑھیاں ہیں جو گھڑی کی سوئیوں کی مخالف سمت میں گھومتی ہوئی اوپر کی جانب چلی گئی ہیں، سیڑھیوں کی تعداد 399 ہے، مینار کی بلندی پر ایک منزل دائرہ کی شکل میں بنی ہوئی ہے جس میں سات کھڑکیاں لگی ہیں۔ اس طرح سے متوکل نے اپنے دور میں شہر سامرا میں کئی عالی شان عمارتیں

تعمیر کروا کر اس شہر کی شان وشوکت میں مزید اضافہ کیا۔

☆ مدرسہ مستنصریہ:

عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنے دورِ حکومت میں مختلف محل، مساجد اور مدارس وغیرہ تعمیر کروائے۔ ان کی تعمیرات میں سے بغداد کا مدرسہ مستنصریہ اپنی فنکارانہ آرائش وزیبائش اور شان وشوکت کے لحاظ سے معروف ومشہور ہے۔ اس مدرسہ کی تعمیر کا کام 625 ہجری میں شروع ہوا اور 632 ہجری میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کی تعمیر میں دو ہزار کاریگروں نے حصہ لیا، اسے دریائے دجلہ کے ساحلی علاقے میں تعمیر کیا گیا، یہ مدرسہ خلیفہ مستنصر کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس مدرسہ میں طلبا کی عمدہ تعلیم وتربیت کے لیے مدرسہ سے متصل وسیع وعریض عمارت کتب خانے کی تعمیر کی گئی، اس عمارت میں داخلے کے آٹھ پھاٹک تھے، پورا کتب خانہ پکی اینٹوں سے بنایا گیا تھا، فرش کو پتھر کے ٹائلس سے آراستہ کیا گیا تھا، ستون بھی پتھر کے تھے، جن پر سنگ تراشی کی گئی تھی، تمام دروازے اور کھڑکیاں لکڑی کی تھیں، جن پر عمدہ نقش ونگار تھا، طلبا کے قیام کے لیے ہاسٹل کی عمارت تھی اس عمارت میں بڑے بڑے اور کشادہ کمرے بنائے گئے تھے اس میں بھی پکی اینٹوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ دیوار اور فرش پتھر کے ٹائلس سے آراستہ تھے، دروازے اور کھڑکیاں لکڑی کی بنی تھیں، درس وتدریس کے لئے وسیع وعریض ہال تھا اس میں سفید وسرخ سنگ مرمر کے ٹائلس لگے تھے۔ فرش پر سرخ پتھروں کا استعمال کیا گیا تھا اور ستون ودیوار سفید سنگ مرمر کے ٹائلس سے آراستہ تھے۔ طلبا اور اساتذہ کے خورد ونوش کے لیے کئی مطبخ خانے تھے اور صحت وتندرستی کے لیے مدرسے سے متعلق ایک شفا خانہ بھی تھے۔ مدرسہ میں ایک عالی شان اور خوبصورت مسجد تھی، جس کے صحن میں حوض تھا وضو کے پانی کی نکاسی کے لیے کنارے پہ نالیاں بھی بنائی گئی تھیں۔ مسجد کی فرش اور دیوار اور ستون میں سفید اور سرخ سنگ مرمر کے ٹائلس کا استعمال کیا گیا تھا۔ اس میں ایک عالیشان سنگ مرمر کا مینار بھی تھا اور اس میں کمان دار محرابیں تھیں۔ داخلے کے لیے تین سمتوں میں تین لوہے کے پھاٹک تھے۔

اس طرح سے عباسی خلفا نے اپنے دور میں کئی عالی شان عمارتیں تعمیر کروائیں، معتضد باللہ کے دور میں قصر ثریا، قصر التاج، خلیفہ معتمد باللہ کے دور کی قصر العاشق عالی شان عمارتیں تھیں۔ مقتدر باللہ نے اپنے عہد میں ایک حسین قصر تعمیر کروایا جس کے احاطہ میں دار الشجرہ نامی ایک مصنوعی درخت لگوایا۔ یہ درخت مکمل طور سے سونے چاندی اور جواہرات سے آراستہ تھا، اس درخت کی 18 شاخیں تھیں، جو سونے چاندی کی تھیں، اس پر لعل، نیلم، ہیرے وغیرہ آویزاں تھے۔ اس مصنوعی درخت کی سونے چاندی کی شاخوں پر مصنوعی چڑیاں تھیں، جن کی آنکھوں میں لعل لگے ہوئے تھے، یہ چڑیاں ہوا سے حرکت کرتی تھیں اور پورا درخت شاخوں کے ساتھ حرکت کرتا تھا۔ اس طرح حرکت کرنے سے چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں نکلتی تھیں۔

عباسی دور مسلم فن تعمیر کے ارتقا کا اہم مرحلہ ہے، جس میں متعدد شہر آباد کیے گئے، محلات، مساجد اور مدارس پر خاص توجہ دی گئی۔ عباسی فن تعمیر نے بعد میں آنے والے مسلم فن تعمیر پر واضح اثرات چھوڑے۔

3.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- عباسی عہد علوم وفنون کے عروج وارتقا کے تعلق سے تمام اسلامی عہدوں میں سب سے اہم عہد ہے۔

- مسلمانوں کی علمی میراث کا بڑا حصہ اسی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔عباسی عہد میں علوم کی اس ترقی کے مختلف عوامل تھے جن میں سب سے اہم تمدنی ارتقا دوسری قوموں سے اختلاط و استفادہ، معاشی خوشحالی اور عباسی خلفا کی علم دوستی اور علم نوازی تھی۔
- عباسی خلفا میں سب سے اہم عہد ہارون و مامون کا عہد ہے۔اس عہد میں بنیادی طور پر مختلف قوموں اور زبانوں کی اہم کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں، جن میں آگے چل کر مسلم علما و اہل فن نے بیش بہا اضافے کیے۔ یہ اندلس اور صقلیہ کے راستہ یورپ پہنچے جن سے اہل یورپ نے اپنی نشاۃ ثانیہ میں فائدہ اٹھایا۔
- علوم نقلیہ کے ساتھ اس عہد میں علوم عقلیہ یا سیکولر علوم میں بھی زبردست ترقی ہوئی۔عقلی علوم کی نئی نئی شاخیں اس عہد میں نکلیں اور ان میں علمائے روزگار نے اہم کتابیں تصنیف کیں۔علوم طب، فلکیات، فلسفہ جغرافیہ اور طبیعیات سے متعلق بنیادی اہم کتابیں اور شخصیات اسی عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔
- عباسی عہد میں فنون لطیفہ کو بھی بہت فروغ ملا۔فن مصوری، نقاشی، خطاطی اور موسیقی کا ارتقا ہوا، عباسی خلفاء نے فن تعمیر کی خوب سرپرستی کی، اور مختلف شہر، قصور ومحلات، مقابر ومساجد، فصیلیں، نہریں اور پل تعمیر کروائے۔

3.7 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ عباسی عہد میں جغرافیہ اور طبعیات کے میدان میں کیا پیش رفت ہوئی؟ بیان کیجیے۔

2۔ فن مصوری اور نقاشی کی ترقی کا جائزہ لیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ عہد عباسی میں فنون لطیفہ کے ارتقا پر مضمون قلمبند کیجیے۔

2۔ اس عہد میں علم طب اور فلکیات میں کیا خدمات انجام پائیں؟ مفصل تحریر کیجیے۔

3.8 فرہنگ

الفاظ	:	معنی
برامکہ	:	ایک فارسی النسل خاندان جس کے بہت سے افراد نے عہد عباسی میں وزارت کی ذمہ داری سنبھالی۔
رصدگاہ	:	فلکیاتی مشاہدے کے لیے بنائی گئی جگہ، جنتر منتر۔
باطنی	:	فرقہ باطنیہ کا پیرو جو اہل تشیع کی ایک شاخ ہے۔اور جس کے اعتقاد کے مطابق ہر شرعی امر کا ایک ظاہری اور ایک باطنی معنی ہوتے ہیں۔ظاہری معنی غیر مقصود اور باطنی معنی مقصود ہوتے ہیں جن کی تعیین امام حاضر یا اس کے نائبین ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔
اخوان الصفا	:	باطنی مسلم فلسفیوں کی ایک خفیہ جماعت جس نے علوم عقلیہ میں بہت سے رسائل لکھے۔

صابی : ستاروں کی پرستش کرنے والی ایک قوم کا فرد

نشاۃ ثانیہ : کسی قوم یا ملک کا دوبارہ عروج وترقی (Renaissance)

3.9 تجویز کردہ کتابیں

1۔ ہسٹری آف دی عربس History of the Arabs : فلپ کے ہٹی (انگلش)

2۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ (جز ثانی، جز ثالث) : جرجی زیدان (عربی)

3۔ ضحیٰ الاسلام جزء ثانی : احمد امین (عربی)

4۔ تراث الاسلام: عربی ترجمہ Legacy of Islam : جے۔شاخت سی۔ای۔بوزورتھ

5۔ تاریخ افکار وعلوم اسلامی : راغب الطباح/ اردو ترجمہ افتخار احمد بلخی

6۔ عہد عباسیہ میں فن تعمیر کا ارتقا : غلام معین الدین

۔:oOo:۔

اکائی 4: عباسی دور میں مملکت کا نظام اور سماجی و معاشی حالات

اکائی کی ساخت

4.1 تمہید

4.2 مقصد

4.3 مملکت کا نظام

4.4 سماجی حالات

4.5 معاشی حالات

4.6 اکتسابی نتائج

4.7 نمونہ امتحانی سوالات

4.8 فرہنگ

4.9 تجویز کردہ کتابیں

4.1 تمہید

سابقہ تین اکائیوں میں بیان کیا گیا ہے کہ خلافت عباسیہ کے اہم حکمراں کون تھے؟ اور انہوں نے اپنے عہد میں کیا کارنامے انجام دیے؟ نیز عباسی عہد میں مختلف علوم وفنون کے میدانوں میں کیا ترقی ہوئی؟ اب اس اکائی میں اس پر روشنی ڈالی جائے گی کہ خلافت عباسیہ میں مملکت کا نظام کس طرح چلتا تھا؟ اور اس دور کے سماجی اور معاشی حالات کیسے تھے؟

4.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اسلامیات کے طلبا کو اس بات کی واقفیت حاصل ہوجائے کہ عباسی دور میں حکومت کا نظام کس طرح چلتا تھا، انتظامی عہدے اور ذمہ داریاں کیا کیا تھیں؟ ساتھ ہی وہ اس بات کو بھی جان سکیں کہ اس عہد کے سماجی اور معاشی حالات کیسے تھے؟

4.3 مملکت کا نظام

خلافتِ عباسیہ میں اقتدار کا سرچشمہ خلیفہ کی ذات تھی۔ یوں تو مختلف کام اور ذمہ داریاں مختلف عہدہ داروں کے حوالے تھیں۔ مثلاً دیوانی اختیارات وزیر کے پاس اور عدالتی اختیارات قاضی کے پاس تھے اور فوج کی قیادت سپہ سالار کرتا تھا۔ لیکن مملکت کے تمام امور ومعاملات میں آخری فیصلہ کا اختیار خلیفہ کے ہاتھ میں رہتا تھا۔

عباسی خلفا نے خلفائے بنی امیہ کی طرح خلافت کے معاملے میں موروثی طریقہ اپنایا۔خلیفہ اپنے کسی بیٹے یا رشتہ دار کو، جسے کاروبارِ مملکت سنبھالنے کا زیادہ اہل سمجھتا تھا یا اسے زیادہ چاہتا تھا،اپنی زندگی ہی میں ولی عہد نام زد کر دیتا تھا۔یہ نام زدگی بسا اوقات بیک وقت ایک سے زائد افراد کی کر دی جاتی تھی۔ابوالعباس سفاح نے اپنے بعد اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد نام زد کر دیا تھا۔منصور خلیفہ ہوا تو اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کی ولایت منسوخ کر کے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بنایا۔البتہ مہدی کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد نام زد کیا۔جب مہدی خلیفہ ہوا تو اس نے بھی عیسیٰ کی ولایت منسوخ کر کے اپنے بیٹوں میں سے پہلے ہادی اور اس کے بعد ہارون رشید کو ولی عہد نام زد کیا۔ہارون نے خلافت کا بار سنبھالنے کے بعد اپنے بیٹوں امین اور مامون کو ولی عہد بنایا۔اس روایت سے صرف واثق نے انحراف کیا کہ اس نے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں بنایا۔

خلیفہ کے بعد وزیر کا درجہ ہوتا تھا۔عباسی خلافت ایرانیوں کے بھرپور تعاون سے قائم ہوئی تھی۔اس لیے وزارت کے منصب پر عموماً ایرانیوں کو فائز کیا جاتا تھا۔وزیر خلیفہ کی نیابت کے فرائض انجام دیتا تھا اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کے احکام کی تعمیل کراتا تھا۔جو خلفا امورِ مملکت پر زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے اور عیش وعشرت میں مگن رہتے تھے ان کے دور میں وزرا کا اقتدار بڑھ جاتا تھا اور انہیں بہت زیادہ اختیارات حاصل ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ وہ صوبوں کے والیوں اور عدالت کے قاضیوں تک کا تقرر کرتے تھے یا انہیں ہٹا دیتے تھے۔

خلافت عباسیہ میں مملکت کا نظم پہلے کی بہ نسبت زیادہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔متعدد محکمے قائم ہو گئے تھے۔ہر محکمہ کو دیوان کہا جاتا تھا اور اس کا حاکم اعلیٰ دربارِ خلافت کا رکن ہوتا تھا۔

حکومت کو سب سے زیادہ توجہ مالیات پر دینی پڑتی تھی۔اس لیے محکمۂ خزانہ کو جسے 'دیوان الخراج' کہتے تھے،حکومت کا سب سے اہم محکمہ سمجھا جاتا تھا۔سلطنت کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ زکاۃ تھی جو سونے چاندی،تجارتی اموال واملاک اور مویشی کے گلوں پر وصول کی جاتی تھی۔زرعی اراضی پر عشر (زکاۃ الارض) وصول کیا جاتا تھا۔زکاۃ مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی اور انہی کی ضروریات میں قرآن میں مذکور مدات کے مطابق خرچ کی جاتی تھی۔سرکاری آمدنی کے دیگر ذرائع میں مالِ غنیمت،غیر مسلموں سے خراج یا دشمنوں سے تاوانِ جنگ کی رقوم،غیر مسلم رعایا سے جزیہ،زمین کی مال گزاری اور اموال تجارت پر ٹیکس قابلِ ذکر ہیں۔اس آمدنی کو فوجی مصارف اور رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کیا جاتا تھا۔تاریخی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ عباسیہ کے ابتدائی زمانے میں بڑی خوش حالی تھی۔چنانچہ خلفا وامرا بڑی شان وشوکت کی زندگی بسر کرتے تھے۔بعد کی صدیوں میں آہستہ آہستہ آمدنی گھٹتی چلی گئی۔

ایک محکمہ عوام کی شکایات کے ازالہ کی غرض سے قائم تھا۔اسے 'دیوان النظر فی المظالم' کہتے تھے۔اس محکمہ کا کام یہ تھا کہ سرکاری محکموں میں کسی کو بے انصافی کی شکایت ہو تو تحقیق کے بعد اس کی اصلاح کی جائے۔عباسی خلفا میں مہدی پہلا حکمراں ہے جس نے یہ محکمہ قائم کیا۔اس کے جانشیں ہادی،ہارون،مامون اور بعد کے خلفا ان شکایات کو دربارِ عام میں سنتے تھے۔

پولیس کا محکمہ 'دیوان الشرطۃ' کہلاتا تھا۔ہر بڑے شہر کی پولیس الگ تھی۔اس محکمہ سے وابستہ افراد امن وامان کے نفاذ کی خدمت انجام دیتے تھے۔اس محکمہ کا حاکم اعلیٰ محتسب کہلاتا تھا۔وہ بازار کا بھی ناظر ہوتا تھا۔لین دین میں صحیح اوزان اور پیمانوں سے کام لیا جاتا ہے یا نہیں؟ قرض وقت پر ادا ہو رہے ہیں یا نہیں؟ جن باتوں سے شریعت میں منع کیا گیا ہے،مثلاً سودخوری،قمار بازی،شراب نوشی وغیرہ ان کی خلاف ورزی تو نہیں

ہو رہی ہے؟ ان سب امور کی نگرانی بھی اس کے فرائض میں داخل تھی ،اگر چہ اسے عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہوتے تھے۔

ایک اہم محکمہ ڈاک کا تھا، جسے ’دیوان البرید‘ کہتے تھے۔ یہ محکمہ خلافتِ امویہ میں قائم ہو چکا تھا۔عباسی خلیفہ ہارون رشید نے اس کا نئے سرے سے بہتر انتظام کیا۔اس کی اصل غرض وغایت سرکاری پیغام رسانی تھی،لیکن وہ کسی حد تک عوام کی نجی مراسلت لانے لے جانے کا بھی کام کرتا تھا۔ ہر صوبے کے دارالحکومت میں ڈاک خانے بنائے جاتے تھے۔دارالحکومت سے سلطنت کے تمام بڑے شہروں تک سیدھی سڑکیں تعمیر کی گئی تھیں اور تمام راستوں پر ڈاک چوکی کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔اس کام کے لیے گھوڑے، خچر اور اونٹ استعمال کیے جاتے تھے۔فوجوں کے سازوسامان کی منتقلی میں بھی اس محکمہ کی سواریاں کام آتی تھیں۔ پیغام رسانی کے لیے کبوتر بھی پالے اور سدھائے جاتے تھے۔محکمۂ ڈاک کے صدر دفتر واقع بغداد میں پوری سلطنت کے راستوں کے نقشے موجود تھے،جن میں مختلف منزلوں کے مقامات اور فاصلے درج تھے۔ ان نقشوں سے مسافر،سیاح،سوداگر اور حجاج سب فائدہ اٹھاتے تھے۔انہی پر آئندہ جغرافیائی تحقیقات کی بنیاد پڑی۔اس محکمہ کے حاکم اعلیٰ کو ساتھ ہی ایک اور خدمت بھی انجام دینی پڑتی تھی۔وہ جاسوسی نظام کا بھی حاکم اعلیٰ ہوتا تھا اور پورا محکمہ اس نظام کی مدد کرنے پر مامور تھا۔

ایک اہم محکمہ عدل وقضا کا تھا۔ ہر بڑے شہر میں یہ خدمت کسی فقیہ کے سپرد کی جاتی تھی جو عموماً مسلمانوں کے مقدمات فیصل کرتا تھا۔(غیر مسلموں کے دیوانی مقدمات کا فیصلہ خود ان کے مذہبی علما یا عدالتی حاکم کرتے تھے۔)اسی بنا پر اسے قاضی کہا جاتا تھا۔جو فقیہ دارالحکومت میں یہ خدمت انجام دیتا تھا وہ قاضی القضاۃ کہلاتا تھا۔سب سے پہلے یہ لقب امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ کے لیے استعمال ہوا۔وہ عباسی خلیفہ مہدی اور اس کے دو جانشیں فرزندوں ہادی اور ہارون کے عہدِ حکومت میں اس خدمت پر مامور رہے۔بعض قاضیوں کو بہت جامع اور وسیع اختیارات حاصل تھے۔وہ فصلِ خصومات کے علاوہ یتیموں، پاگلوں اور نابالغوں کی املاک کے متولی اور اسلامی اوقاف کے نگراں ہوتے تھے۔مذہبی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دیتے تھے۔خلافت عباسیہ کے ابتدائی زمانے میں صوبائی قاضی والیوں کے حکم سے مقرر کیے جاتے تھے،لیکن چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی میں وہ بغداد کے قاضی القضاۃ ہی کے نائب ہو گئے تھے۔

عہد عباسی میں فوجی خدمات انجام دینے والے دو طرح کے لوگ تھے۔کچھ لوگ مستقل طور پر جنگی خدمات انجام دیتے تھے اور ماہانہ تنخواہ پاتے تھے۔ یہ’ مرتزقہ‘ کہلاتے تھے۔کچھ رضا کارانہ سپاہی ہوتے تھے،جن سے وقتِ ضرورت کام لیا جاتا تھا۔ یہ ’مطوّعہ‘ کہلاتے تھے۔فوج کے تین طبقات تھے: پیادہ (حربیہ)، تیرانداز (رامیہ) اور شہ سوار (فرسان)۔ پیادہ فوجی تلوار، ڈھال اور برچھی سے اور شہ سوار زرہ بکتر، خود ،تیر اور لمبے لمبے نیزوں سے مسلّح کیے جاتے تھے۔ایک جمعیت ایسے لوگوں کی ہوتی تھی جو مانعِ آتش لباس پہنتے اور دشمن پر آتشیں اشیا پھینکتے تھے۔انہیں ’نفاطون‘ کہا جاتا تھا۔کچھ لوگوں کی تحویل میں قلعہ شکن آلات: منجنیق،عرادہ، دبابہ وغیرہ ہوتے تھے۔ یہ ’مہندس‘ کہلاتے تھے۔جنگی دواخانے اور اونٹوں پر پالکیوں کی شکل میں زخمیوں کی سواریاں میدانِ جنگ میں لشکر کے ساتھ چلتی تھیں۔

ابتدائی خلفائے بنوعباس کی فوج عرب وخراسانی سپاہیوں پر مشتمل تھی۔معتصم نے ترکوں کے ایک نئے لشکر کا فوج میں اضافہ کیا۔ یہ فنونِ حرب کے ماہر اور جنگ آزمودہ لوگ تھے۔متوکل نے جب سے بیرونی دستے بھرنے شروع کیے اس وقت سے عباسیوں کی قوت میں زوال آنے لگا۔کیوں کہ اجنبی عناصر کے اضافہ سے پوری فوج میں وحدت کی روح قائم نہ رہی اور قومی سر بلندیوں کا جوش زائل ہو گیا۔آگے چل کر مقتدر نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا کہ صوبے کے والیوں یا جنگی سپہ سالاروں کو ان کے اقطاع (علاقے) ٹھیکے پر دے دیتا کہ وہ اپنی فوج کے

مصارف مقامی محاصل سے پورے کرلیا کریں۔

مملکت کی تقسیم بنوامیہ ہی کے عہد میں مختلف صوبوں میں کردی گئی تھی اور ہر صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر کیا جاتا تھا۔ بنوعباس کے دور میں بھی یہ چیز جاری رہی۔ البتہ صوبوں کی فہرست وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی تھی۔ افریقہ، مصر، شام وفلسطین، حجاز، یمن، بحرین، الجزیرہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، مکران، سجستان، خراسان اور خوارزم اہم صوبے تھے۔ گورنروں کی تقرری اور معزولی وزیر کی مرضی پر منحصر ہوتی تھی ۔ کیوں کہ اسی کی تحریک پر خلیفہ تقرر کی منظوری دیتا تھا۔ صوبہ کے سرکاری اخراجات وہاں کی مقامی آمدنی سے پورے ہوتے تھے۔ اگر مصارف کم ہوتے تو فاضل رقم مرکزی بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔

4.4 سماجی حالات

عباسی عہد کے سماجی حالات کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا ایک نمایاں مظہر عیش وعشرت اور لہو ولعب کی زندگی تھی ۔ اس کے بہت سے اسباب تھے۔ ان میں سے ایک سبب یہ تھا کہ ایرانیوں نے عباسیوں کی سیاسی زندگی کے ساتھ سماجی زندگی کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا۔

اسلام میں کسی شخص کے لیے چار سے زائد عورتوں سے نکاح جائز نہیں تھا۔ ہاں باندیوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ باندیاں یا تو جنگوں میں قید ہوکر آتی تھیں یا بازاروں سے خریدی جاتی تھیں۔ عباسی خلفا کے حرم میں آزاد عورتوں کے علاوہ باندیاں بھی ہوتی تھیں۔ وہ بیویوں کے انتخاب اور اپنے بچوں کی مائیں چننے میں عربی نسل کا کوئی لحاظ نہ رکھتے تھے۔ عباسیوں میں صرف تین خلفا یعنی ابوالعباس ، مہدی اور امین آزاد ماؤں کے بیٹے تھے۔ منصور کی ماں بربر کنیز تھی۔ اسی طرح مامون کی ماں ایرانی ، مہدی اور واثق کی مائیں یونانی اور مقتدر کی ماں ترکی کنیزیں تھیں۔ ماں چاہے آزاد ہو یا کنیز ، بچوں کے حقوق برابر ہوتے تھے۔ اسی لیے آزاد عورتوں کی اولاد اور باندیوں کی اولاد میں تنافس اور آویزش ہوتی رہتی تھی ، جیسا کہ ہارون کے لڑکوں امین اور مامون کے درمیان ہوا۔

عورتوں میں پردے کا رواج تھا اور انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اونچے طبقے کی خواتین امورِ سلطنت میں دخیل ہوتی تھیں۔ جیسا کہ ہم مہدی کی بیوی خیزران ، ہارون کی بیوی علیّہ ، امین کی ماں زبیدہ اور مامون کی بیوی بوران کے معاملے میں پاتے ہیں۔ البتہ خلافتِ عباسیہ کے عہدِ زوال میں عورتوں کا مرتبہ گر گیا تھا۔

عہدِ عباسی میں طرزِ رہائش پر بھی ایرانی اثرات صاف محسوس کیے جاسکتے تھے۔ نشست کے لیے دیوان (چوکیوں) کا رواج ہوگیا تھا۔ ویسے فرش پر قالین بچھا کر گاؤ تکیے کا استعمال زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ کھانا چھوٹی میز پر پیتل یا چاندی کی گول کشتیوں میں لگایا جاتا تھا۔ کھانے پینے کا ذوق بھی بہت عمدہ ہوگیا تھا۔ ایران کا سکباج (شوربا) اور فالودہ (شیرینی) مرغوب غذائیں تھیں۔ موسمِ سرما میں مکانات برف سے ٹھنڈے کیے جاتے تھے۔ مشروبات میں شہتوت ، بنفشہ اور گلاب کا عرق شامل کرکے خوشبودار بنایا جاتا تھا۔ البتہ اس زمانے میں خلوت اور نجی محفلوں میں مسکرات کا استعمال ہونے لگا تھا۔ ابونواس (وفات 810ء) اور ابن المعتز (وفات 908ء) کے کلام میں سیکڑوں اشعار شراب کی تعریف وتوصیف میں ہیں۔ اس زمانے میں ایسی محفلیں بھی جمتی تھیں جن میں نبید ، شراب نوشی اور رقص وسرود کا خاص حصہ ہوتا تھا۔

اس زمانے میں حمام کا بہت زیادہ رواج ہوگیا تھا۔ انہیں طہارت کے علاوہ طبّی فوائد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ بغداد شہر آباد

ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہاں دس ہزار حمام بن گئے تھے۔ایک مورخ کے بیان کے مطابق مقتدر کے عہد میں بغداد میں ان کی تعداد ستائیس ہزار (27,000)اور بعد میں ساٹھ ہزار (60,000) تک پہنچ گئی تھی۔عورتوں کے استعمال کے لیے ان کے خاص دن مقرر ہوتے تھے۔

شطرنج کا کھیل امرا کے گھرانوں میں مقبول تھا۔کہا جاتا ہے کہ اسے ہارون رشید نے رواج دیا تھا۔اسی طرح تیراندازی، نیزہ بازی اور گھڑ دوڑ کے کھیل بھی پسند کیے جاتے تھے۔خلفا اور ان کے بیٹوں کی تفریح کا سامان شکار ہوتے تھے۔خلیفہ امین شیر ببر کے شکار کا شوقین تھا۔ معتصم چیتے سے شکار کھیلنا بہت پسند کرتا تھا۔ ہرن، چیتل، خرگوش، مرغابی، جنگلی بطخ وغیرہ کا شکار کیا جاتا تھا۔اس کے لیے کتوں، باز، شکروں کو سدھایا جاتا تھا۔

عہدِ عباسی میں غلاموں اور کنیزوں کی تجارت عام ہوگئی تھی۔ یہ مختلف قوموں اور ملکوں سے تعلق رکھتے تھے۔مصر، جزیرۃ العرب کے جنوب اور افریقہ سے تعلق رکھنے والے سیاہ فام اور ترکی النسل سفید فام ہوتے تھے۔مورخین نے ذکر کیا ہے کہ متوکل کے محل میں چار ہزار (4,000) کنیزیں تھیں۔ باندیوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جاتا تھا۔تدبیر منزل کے علاوہ خاص طور سے انہیں گانا سکھایا جاتا تھا۔اسی وجہ سے اس عہد میں رقص وسرود عام ہوگیا تھا۔عوامی مقامات، شاہراہیں، خلفا کے محلات، مال داروں کے گھر وغیرہ میں مغنّین ومغنّیات نظر آتے تھے۔کتاب الاغانی میں ہے کہ لوگ گانے کے اتنے دل دادہ ہوگئے تھے کہ کوئی مغنی کسی پل پر گانے لگتا تو اس کا گانا سننے کے لیے اتنے لوگ اکٹھا ہوجاتے کہ پل ٹوٹنے کا اندیشہ ہونے لگتا تھا۔ جو باندیاں اچھا گانا گاتی تھیں ان کی بھاری قیمت لگتی تھی۔مثلا عریب المأ مونیہ المغنیہ پچاس ہزار (50,000) دینار میں بیچی گئی۔ ہارون رشید نے ایک باندی 36 ہزار (36,000) دینار میں خریدی تھی۔اس کے نتیجے میں عراق میں گانے کا خوب رواج اور لہو وفحش گوئی کو بڑھاوا ملا۔بعض باندیاں صرف خلفا اور امرا کے درباروں میں گاتی تھیں اور بعض باندیوں کو ان کے مالک عوامی جگہوں میں گانے کے لیے پیش کرتے تھے، جہاں گانا سننے کے لیے عام لوگ آتے تھے اور ان پر پیسہ لٹاتے تھے۔اس قسم کی باندیوں کا معاشرتی زندگی پر اثر پڑا۔ان کی وجہ سے اخلاقی فساد بڑھا۔چوں کہ یہ باندیاں مختلف قومیتوں کی تھیں ان کے ذریعے ان کے ملکوں کے بہت سے عادات واطوار بھی سماج میں در آئے۔

عباسی معاشرہ کی ایک تقسیم نسلی بنیاد پر تھی۔وہ دو بڑے گروہوں میں تقسیم تھا۔ایک گروہ عربوں کا تھا اور دوسرا ایرانیوں اور غیر عربوں کا۔ان دونوں گروہوں کے درمیان تنافس اور کش مکش کے نتیجے میں وہ تحریک برپا ہوئی جسے تاریخ عرب میں 'شعوبیت' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

عہد عباسی میں تین طرح کے رجحانات پائے جاتے تھے:

> ایک رجحان یہ تھا کہ عرب تمام قوموں میں سب سے بہتر ہیں۔اس رجحان کے قائلین یہ دلیل دیتے تھے کہ عرب عہدِ جاہلیت اور عہدِ اسلام دونوں میں آزاد رہے ہیں۔اس وقت کی عظیم شہنشاہیتیں بھی ان پر حکومت نہیں کرسکی تھیں۔وہ بہت سے اخلاقی فضائل ومناقب سے بہرہ ور ہیں۔اسلام ان کے درمیان پروان چڑھا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے تھے۔انہوں نے اسلام کا پیغام دوسری قوموں تک پہنچایا ہے۔

دوسرا رجحان یہ پروان چڑھا کہ عرب دوسروں سے افضل نہیں ہیں۔تمام انسان ایک مٹی اور ایک نسل سے ہیں۔کوئی قوم دوسری قوم سے افضل نہیں ہے۔تفاضل قوموں کے درمیان نہیں، بلکہ افراد کے درمیان ہونا چاہیے۔

تیسرا رجحان نہ صرف عربوں کی شان گھٹاتا تھا، بلکہ دوسری قوموں کو ان سے بہتر قرار دیتا تھا۔اس رجحان کے حاملین نے عربوں کے ماضی، زبان، علوم، فلسفہ اور انساب پر طعن کیا ہے، مثالب ومعایب پر کتابیں لکھی ہیں اور ایرانیوں کی فضیلت پر احادیث وضع کی اور قصے گھڑے ہیں۔اس رجحان کو وہ لوگ پروان چڑھا رہے تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور اپنے قدیم مذہب پر قائم تھے، یا ظاہری طور پر اسلام لے آئے تھے، دل سے اسے قبول نہیں کیا تھا، یا جن پر وطنی رجحان غالب تھا، وہ عربوں کو ناپسند کرتے تھے، اس لیے کہ انہوں نے ان کا ملک چھین لیا تھا۔

شعوبیت کا اطلاق اولاً دوسرے رجحان کے حاملین پر ہوتا تھا، بعد میں تیسرے رجحان کے حاملین پر بھی ہونے لگا۔

احمد امین نے اپنی کتاب 'ضحیٰ الاسلام' میں درج ذیل نتائج نکالے ہیں:

1۔ شعوبیت کے علم برداروں نے اپنے دعویٰ کی دلیل اسلامی تعلیمات کو بنایا اور کہا کہ اسلام نسلی اعتبار سے کسی قوم کو دوسری قوم سے افضل نہیں قرار دیتا، بلکہ جزا وسزا کو اعمال پر مبنی قرار دیتا ہے۔پھر انہوں نے عربوں کو حقیر قرار دینا شروع کیا اور دوسری قوموں کو ان سے افضل قرار دینے لگے۔

2۔ شعوبیت کوئی ایسا عقیدہ نہ تھا جس کی تعلیمات متعین اور شعائر نمایاں ہوں، بلکہ حقیقت میں یہ ایک ایسی جمہوریت سے عبارت تھا جس کا مقصد عربوں کی اشرافیت کا مقابلہ کرنا تھا۔اسی لیے اس کے معتقدین ہر ملک، علاقہ اور نسل میں پائے جاتے تھے۔

3۔ اس رجحان کے پروان چڑھنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ وطنی رجحان اور مذہبی عصبیت کو بڑھاوا دیتا تھا۔عربوں نے ایرانیوں کی حکمرانی کا خاتمہ کردیا تھا۔مصر، شام اور مغرب پر حکومت کی تھی۔ وہاں کے باشندے عرب نہیں تھے۔مصر وشام کے بہت سے نصاریٰ عربوں کو ناپسند کرتے تھے جنہوں نے انہیں ان کے ملکوں سے جلا وطن کردیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ملک پر وہیں کے لوگ حکومت کریں۔

4۔ شعوبیین میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ایرانی، نبطی، قبطی، اندلسی وغیرہ۔ ہر جگہ کی شعوبیت کا ایک خاص رنگ تھا۔

5۔ شعوبیت کے مختلف درجات تھے۔اس کا آغاز اعتدال کے ساتھ اور خاتمہ انتہا پسندی پر ہوتا تھا۔معتدل قسم کے لوگ عربوں اور غیر عربوں کو برابر قرار دیتے تھے، جب کہ انتہا پسند عربوں کو حقیر قرار دیتے تھے اور ان کے ہر امتیاز کا انکار کرتے تھے۔بعض لوگ عربوں اور اسلام کو الگ الگ رکھتے تھے۔وہ عربوں پر بحیثیت قوم نکیر کرتے تھے، مگر اسلام سے مطلق تعرض نہیں کرتے تھے۔

6۔ شعوبیت اختیار کرنے والوں میں ہر طبقہ کے لوگ تھے۔

عباسی عہد میں شعوبی تحریک کا اثر صرف ادبی میدان تک محدود نہ رہا، بلکہ سیاسی زندگی پر بھی پڑا۔عربوں اور ایرانیوں کے درمیان کش مکش اپنے عروج پر پہنچ گئی تھیں۔شعوبیوں نے عربی عصبیت کو کم کرنے کی کوشش کی اور چوں کہ وہ دین اسلام کے واسطے سے تھی اس لیے اس

کے کم زور پڑنے پر زندقہ عام ہوگیا۔اس کا اثر فکری اور سیاسی دونوں سطحوں پر ہوا۔مرکز خلافت سے دور دراز کے علاقوں میں علیحدگی پسند تحریکیں اٹھنے لگیں اور چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں۔

4.5 معاشی حالات

خلافتِ عباسیہ میں سماج کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد معاشی اعتبار سے بہتر حالت میں تھے۔وہ عموماً خوش حال زندگی گزارتے تھے۔بالائی طبقہ، اہل علم،شعراوادبا، تاجروں اور صنعت پیشہ افراد پر مشتمل تھا۔زیریں طبقہ میں مزدور، کاشت کار اور گلہ بان آتے تھے۔بڑی آبادی غیر مسلموں پر مشتمل تھی جو ذمّی کہلاتے تھے۔

سلطنت کی وسعت اور تمدن کی ترقی کے نتیجے میں تجارت کو وسیع پیانے پر فروغ حاصل ہوا۔ابتدا میں بیش تر تاجر یہودی، عیسائی یا مجوسی تھے۔بعد میں مسلمانوں نے ان کی جگہ لے لی۔ بغداد، بصرہ، سیراف، قاہرہ اور اسکندریہ جیسی بندرگاہیں برّی و بحری تجارت کا مرکز بن گئی تھیں۔منصور کے عہد ہی سے مسلمان تاجر چین جانے لگے تھے۔اسی طرح مغرب کی طرف وہ مراکش اور اندلس تک جایا کرتے تھے۔وہ عرب علاقوں سے کھجور، شکر، سوتی واونی ملبوسات، فولاد کے اوزار اور شیشے کے ظروف لے کر جاتے تھے اور مشرق بعید سے مصالحہ جات، کافور، ریشم اور افریقہ سے ہاتھی دانت، آبنوس اور حبشی غلاموں کی برآمد کرتے تھے۔ان کے تجارتی جہاز دنیا کے دور دراز ملکوں میں آتے جاتے تھے اور وہ خود بھی کافی عرصہ بحری اسفار میں گزارتے تھے۔تاریخ میں بغداد کے ایک جوہری کا حال مذکور ہے جس کے مال میں سے خلیفہ مقتدر نے 16 کروڑ دینار ضبط کر لیے تھے، پھر بھی وہ دولت مند رہا۔

عہدِ عباسی میں صنعت وحرفت کو بھی خوب فروغ ملا۔قالین، پردے، فرش، کھانا پکانے کے برتن، ریشم، اون اور اطلس و دیبا کے ملبوسات تیار ہوتے تھے۔خلیفہ مستعین نے ایک خاص قالین تیار کروایا تھا جس میں سونے کے تاروں سے ایسے پرندے بنوائے تھے جن کی آنکھیں یاقوت اور قیمتی جواہرات کی تھیں۔اس پر 13 کروڑ درہم کی لاگت آئی تھی۔ایک اور صنعت اونٹ اور بکری کے بالوں کے کپڑے اور ریشمی عبا کی تھی جس کی دور دور تک شہرت تھی۔شیراز کے دھاری دار اونی چغے اور حریر و زربفت کے لباس خراسان اور ارمینیا کی فرش کی چادریں، پردے اور مسند کے غلاف، بخارا کی جائے نماز، مصر کے قندیل وفانوس، گل دان، کھانا پکانے کے برتن اور کپڑے، صور وسیدا اور شام کے شیشے کے ظروف مشہور تھے۔

عباسی دور میں کاغذ کی صنعت کو بھی فروغ ملا۔سمرقند، بغداد، مصر اور دوسرے مقامات پر اس کے کارخانے قائم ہوئے۔خلیفہ معتصم نے اس صنعت کی قدر افزائی کی۔اسی خلیفہ کے دور میں صابون اور شیشے کے کارخانے قائم ہوئے۔خلافتِ عباسیہ میں جوہری کا فن بھی عروج پر پہنچا۔موتی، یاقوت، پکھراج، نیلم اور الماس وغیرہ خلفا اور شہزادوں کو بہت مرغوب تھے۔ہارون رشید نے ایک یاقوت، جو کئی ایرانی شہنشاہوں کی ملکیت میں رہا تھا، چالیس ہزار دینار میں خرید کر اس پر اپنا نام کھدوایا تھا۔یہ اتنا بڑا اور چمک دار تھا کہ رات کو اندھیرے میں چراغ کی طرح روشنی دیتا تھا۔خلیفہ مکتفی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دو کروڑ دینار مالیت کے جواہرات وعطریات اپنی وفات پر چھوڑے تھے۔

عباسی سلطنت معدنی وسائل سے بھی مالا مال تھی۔خراسان میں سونے چاندی کی کانیں تھیں۔سنگ مرمر اور سیماب بھی وہیں سے آتا

تھا۔ ماوراء النہر سے یاقوت اور لاجورد، کرمان سے شیشہ اور چاندی، بحرین سے موتی اور نیساپور سے فیروزہ بڑی مقدار میں نکلتا تھا۔ صنعا سے عقیق اور کوہستانِ لبنان سے لوہا آتا تھا۔ اسی معدنی پیداوار میں تبریز کا سنگِ مرمر، اصفہان کا سرمہ، شام و فلسطین کا کبریت بھی شامل ہیں۔

خلافتِ عباسیہ کے ابتدائی زمانے میں زراعت کو بھی ترقی ملی۔ یہ اگرچہ قدیم باشندوں ہی کے ہاتھ میں رہی۔ لیکن خلفا کی توجہ سے اس میں بہتری آئی۔ جو کھیت بنجر اور گاؤں اجڑ گئے تھے، انہیں ازسرِ نو قابلِ کاشت بنایا گیا اور آباد کیا گیا۔ حکومت نے سب سے زیادہ توجہ دجلہ و فرات کی وادی پر دی کہ پوری سلطنت میں سب سے زیادہ زرخیز علاقہ یہی تھا۔ فرات کی قدیم نہریں دوبارہ کھدوائی گئیں یا نئی نہروں کی تعمیر کی گئی۔ خراسان کا علاقہ بھی زرخیز تھا۔ اس کا شمار سب سے زیادہ خراج دینے والے صوبوں میں ہوتا تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں کے مطابق بخارا کے مضافات سچ مچ باغ بن گئے تھے۔ ان میں انواع واقسام کے پھل، پھول اور ترکاریاں اگائی جاتی تھیں۔ اسی طرح تجارتی مقاصد سے پھولوں کی بھی وسیع پیمانے پر کاشت کی جاتی تھی۔ دمشق، شیراز، فیروزآباد اور فارس وغیرہ میں گلاب، نیلوفر اور بنفشہ کے عطر بنانے کی صنعت ترقی پر تھی۔

مملکت کی آمدنی کا ایک ذریعہ جزیہ سے حاصل ہونے والی رقم بھی تھی۔ یہ صرف ان ذمیوں سے لی جاتی تھی جو ہتھیار چلا سکتے تھے۔ بیمار، کم زور، اپاہج، مذہبی لوگ، راہب، بوڑھے، عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔ جزیہ کی رقم بھی بہت معمولی اور ان ٹیکسوں سے کہیں کم ہوتی تھی جو مسلمانوں سے وصول کیے جاتے تھے، نیز انہیں آسان قسطوں پر وصول کیا جاتا تھا۔

4.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- عہدِ عباسی میں خلافت کا طریقہ موروثی تھا۔
- خلیفہ اپنی زندگی ہی میں اپنے کسی بیٹے یا رشتہ دار کو اپنے بعد خلافت کے لیے نام زد کر دیتا تھا۔
- امورِ مملکت چلانے کے لیے مختلف عہدے اور ذمہ داریاں تقسیم تھیں، لیکن خلیفہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی۔
- خلیفہ کے بعد طاقت ور شخصیت وزیر کی تھی، جو عموماً کوئی ایرانی ہوتا تھا۔ وہ خلیفہ کی ہدایت کے مطابق اس کے احکام کی تعمیل کراتا تھا۔
- حکومت کے دیگر عہدے دار اس کے ماتحت ہوتے تھے۔
- امورِ مملکت چلانے کے لیے مختلف محکمے قائم کیے گئے تھے۔ محکمۂ خزانہ کا کام حکومت کے لیے مالیات کی فراہمی تھی۔
- مسلمانوں سے زکاۃ وعشر، دشمنوں سے خراج اور تاوانِ جنگ اور غیر مسلم رعایا سے جزیہ کے علاوہ زمین کی مال گزاری اور اموالِ تجارت پر ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔ پولیس کا محکمہ امن وامان کو قائم رکھتا تھا۔ محکمۂ ڈاک کے ذریعے سرکاری اور عوامی پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا۔
- محکمۂ عدل وقضا کے تحت قاضی مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ کرتے تھے۔ فوجی خدمات کے لیے کچھ لوگوں کو مستقلاً رکھا جاتا تھا، جنھیں ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی اور کچھ سے وقتِ ضرورت کام لیا جاتا تھا۔
- فوج پیادہ افراد، تیر اندازوں اور شہ سواروں پر مشتمل ہوتی تھی۔
- انتظامِ مملکت چلانے کے لیے پورے ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر صوبے کا ایک عامل (گورنر) مقرر کیا جاتا تھا۔

- مسلمانوں کی سماجی زندگی رفتہ رفتہ ایرانی تہذیب و معاشرت کے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ طرزِ رہائش، لباس، ماکولات ومشروبات اور وسائلِ تفریح وغیرہ پر اس کا اثر پڑا تھا۔ حمام کا بہت زیادہ رواج ہو گیا تھا۔ غلام اور باندیوں کی تجارت عام ہو گئی تھی۔ باندیوں کو ناچنا گانا سکھایا جاتا تھا۔ اس کا اثر سیاسی اور سماجی زندگی کے علاوہ ادب پر بھی پڑا تھا۔

- اس دور میں سماج نسلی بنیاد پر دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ایک گروہ عربوں کا تھا اور دوسرا ایرانیوں اور غیر عربوں کا۔ ان کے درمیان کش مکش کے نتیجے میں ایک تحریک برپا ہوئی جسے 'شعوبیت' کا نام دیا گیا۔ اس تحریک کے علم بردار اس بات کے قائل تھے کہ عرب کسی معاملے میں غیر عربوں سے افضل نہیں ہیں۔

- عہدِ عباسی میں سلطنت مستحکم ہوئی اور تمدن کو ترقی ملی۔ اس کے نتیجے میں تجارت کو بڑے پیمانے پر فروغ ہوا۔ بندرگاہیں برّی و بحری تجارت کا مرکز بن گئی تھیں۔

- تاجر عرب علاقوں کی پیداوار اور مصنوعات لے کر ایک طرف جنوب مشرقی ایشیا، چین اور دوسری طرف اندلس تک جاتے اور وہاں کی چیزیں لے کر عرب علاقوں میں واپس آتے تھے۔ اسی طرح مختلف صنعتوں کو بھی ترقی ملی۔ قالین، پردے، فرش، ملبوسات، جواہرات، کاغذ، صابون، شیشے اور ہتھیاروں کے کارخانے مختلف شہروں میں قائم تھے۔

- ملک کے مختلف حصوں سے معدنیات نکلتی تھیں۔

- زراعت پر بھی توجہ دی گئی۔ بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنایا گیا۔ آب پاشی کے لیے نہریں کھدوائی گئیں۔ انواع واقسام کے پھل، پھول اور ترکاریوں کی کاشت کی جاتی تھی۔

4.7 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ تحریک 'شعوبیت' پر ایک نوٹ تحریر کیجیے؟

2۔ عہد عباسی کے عدالتی نظام اور فوج اور پولیس کے نظام پر روشنی ڈالیے؟

3۔ عباسی عہد میں ایران کے کیا اثرات مرتب ہوئے تھے؟

طویل جوابی سوالات:

1۔ عہد عباسی میں نظامِ مملکت کے اہم اوصاف کا جائزہ لیجیے؟

2۔ عہد عباسی کے سماجی حالات پر ایک مضمون قلمبند کیجیے؟

3۔ اس دور کے معاشی حالات پر روشنی ڈالیے۔

4.8 فرہنگ

الفاظ : معانی

سرچشمہ	:	منبع
موروثی	:	پشتینی، باپ دادا کا
نیابت	:	جانشینی
عشر	:	دسواں حصہ
انحراف کرنا	:	خلاف کرنا، پھر جانا
ناظر	:	نگراں
قمار بازی	:	جوا کھیلنا
قاضی القضاۃ	:	چیف جسٹس
مانعِ آتش	:	آگ سے بچانے والا، فائر پروف
فنونِ حرب	:	جنگی فنون
لہو ولعب	:	بے مقصد کھیل کود، سیر تماشا
کنیز	:	باندی
اقطاع	:	صوبے، علاقے
محاصل	:	لگان، خراج
تنافس	:	مقابلہ آرائی
مسکرات	:	نشہ لانے والی چیزیں
رقص وسرود	:	ناچ گانا
مغنّیین ومغنّیات	:	گانے والے مرد اور عورتیں
تفاضل	:	ایک دوسرے سے برتر ہونا
مثالب	:	خامیاں، عیوب
اشرافیت	:	عزت وعظمت
گلہ بان	:	چرواہے
صنعت وحرفت	:	ہاتھ یا مشین سے چیزیں بنانا
حریر	:	ریشم
زربفت	:	کم خواب، ایک کپڑا جو سونے اور ریشم کے تاروں سے بنایا جاتا تھا۔

4.9 تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخِ ملتِ عربی : فلپ حتّی، مترجم: سید ہاشمی فرید آبادی، بک سینٹر، ڈگی روڈ علی گڑھ، 1927ء۔

2۔ تمدنِ عرب : گستاؤلی بان، مترجم: سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی، لاہور۔

3۔ اسلام پر کیا گزری : احمد امین، مترجم: مولانا عمر احمد عثمانی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔

4۔ مختصر تاریخِ اسلام : مولانا غلام رسول مہر، تاج کمپنی، دہلی 1998ء۔

5۔ تاریخِ ملت (جلد پنجم و ششم) خلافتِ عباسیہ : مفتی انتظام اللہ اکبرآبادی، ندوۃ المصنفین، دہلی، 1950ء۔

6۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (اول) : ثروت صولت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی۔

۔:oOo:۔

عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں
بلاک 2 : خاندانی حکومتیں

اکائی 5: فاطمی حکومت کا قیام، استحکام اور زوال

اکائی کی ساخت

5.1 تمہید
5.2 مقصد
5.3 فاطمی سلطنت
5.3.1 تعارف
5.3.2 فاطمیین کا پس منظر
5.3.3 فاطمی سلطنت کا قیام
5.3.4 دورِ عروج
5.3.4.1 دولت وثروت
5.3.4.2 محصولات
5.3.5 زوال
5.4 اکتسابی نتائج
5.5 نمونہ امتحانی سوالات
5.6 فرہنگ
5.7 تجویز کردہ کتابیں

5.1 تمہید

عباسی دور میں متعدد خاندانی حکومتیں قائم ہوئیں، جن میں مصر کی فاطمی خاندان کی حکومت اپنے کارناموں اور مخصوص مذہبی پس منظر کی وجہ سے اہمیت رکھتی ہے، فاطمی حکومت اپنے نسب اور خاندان کے اعتبار سے عباسی خلفا کی حریف تھی بلکہ ایک مذہبی فرقہ کی مقتدا بھی تھی ،اور آگے چل کر یہ حکومت تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی ترقی میں بھی عباسی حکومت کی مقابل بن گئی ۔ یہ حکومت تقریبا دوسوستر سال تک باقی رہی۔اس اکائی میں ہم فاطمی خاندان کے دورِحکومت اور خدمات کا مطالعہ کریں گے۔

5.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد طلبا کو فاطمی سلطنت کے قیام اور عروج سے واقف کرانا ہے، اکائی کے مطالعہ سے طلبا یہ جان سکیں گے کہ فاطمی سلطنت کا قیام کس طرح عمل میں آیا، اس کے اہم حکمران کی خدمات کیا ہیں، طلبا یہ بھی جان سکیں گے کہ علوم کے ارتقا نیز فن تعمیر کے میدان میں فاطمی خاندان کی کیا خدمات رہی ہیں۔

5.3 فاطمی سلطنت

5.3.1 تعارف

اس حکومت کو فاطمی حکومت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا سلسلہ نسب حضرت فاطمہؓ کی طرف منسوب کرتے تھے، فاطمی خلفا کا دعویٰ تھا کی وہ حضرت فاطمہ زہرہ کی اولاد سے ہیں، اس لیے خلافت کے اصل وارث وہی ہیں۔ بر سر اقتدار آنے کے بعدانہوں نے اپنے لئے ''خلیفہ'' کا لقب اختیار کیا، اس لیے اس حکومت کو تاریخ میں خلافت فاطمیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس سلطنت میں کل 14 حکمران ہوئے۔ جن کی ترتیب اس طرح ہے۔

ابتدائی دور (قیام واستحکام)

1۔ عبیداللہ المہدی

2۔ ابوالقاسم قائم بامراللہ

3۔ ابوطاہر اسماعیل المنصور باللہ

دور عروج:

4۔ ابوتمیم معد المعز الدین اللہ

5۔ ابومنصور نزار العزیز باللہ

6۔ ابوالیسین الحاکم بامراللہ

آخری دور (دور زوال):

7۔ ابومعد علی الظاہر الاعزاز دین اللہ

8۔ ابوتمیم معد المستنصر باللہ

9۔ ابوالقاسم احمد المستعلی باللہ

10۔ ابوعلی منصور الآمر باحکام اللہ

11۔ ابوالمیمون عبد المجید الحافظ لدین اللہ

12۔ ابومنصور اسماعیل الظافر لدین اللہ

13۔ ابوقاسم عیسی الفائز بدین اللہ

14۔ ابومحمد عبداللہ العاضد لدین اللہ

5.3.2 فاطمیین کا پس منظر

تحریک امامت اہل بیت خلفائے راشدین کے زمانے سے برابر قائم رہی تھی۔اور اہل بیت نبوی میں مختلف آئمہ کو ماننے والے بہت سے فرقے وقت کے ساتھ پیدا ہو گئے تھے، جو اپنے اپنے سلسلہ امامت کی دعوت میں سرگرم تھے۔انہیں میں ایک فرقہ اسماعیلی (باطنی) فرقہ تھا۔ یہ لوگ اثنا عشری فرقہ کے بالمقابل حضرت امام جعفر صادق کے بعد حضرت موسیٰ کاظم کو امام ماننے کے بجائے ان کے دوسرے لڑکے اسماعیل کی امامت کے قائل تھے۔اور ان کے مطابق اسماعیل کی وفات 133ھ میں ہوئی تھی۔ اسماعیلی روایت کے مطابق امام اسماعیل نے اپنے بیٹے محمد کو متعین کیا تھا، اور امام محمد کے بعد تین ائمہ عبداللہ، احمد اور حسین ہوئے۔ یہ تینوں مستورین کہلاتے تھے۔انکے شجروں میں اختلاف بھی ہے کیونکہ یہ ائمہ اپنے کو چھپایا کرتے تھے، یہاں تک کہ بقول ابن خلدون، محمد بن اسماعیل کا نام محمد مکتوم پڑ گیا۔ائمہ مستورین کے داعی بھی اپنا نام بتانے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔یعنی یہ بہت پوشیدہ زندگی بسر کرتے تھے۔ان کے خاص خاص نقیبوں کے علاوہ ان کا پتہ کسی کو نہیں معلوم ہوتا تھا۔تاریخ میں ان کے ناموں میں بھی اختلاف پایا گیا ہے۔فاطمی امام حسین نے عسکر مکرم میں 268ھ میں وفات پائی۔انہوں نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے عبیداللہ کو امام متعین کیا جو سلطنت فاطمی کا بانی بنا، یہ عبیداللہ تاریخ میں المہدی کے نام سے مشہور ہے۔

5.3.3 فاطمی سلطنت کا قیام

اسماعیلی فرقہ کے اکثر امام نظروں سے پوشیدہ رہ کر خفیہ طور پر اپنے پیروں کے ذریعہ مشرق ومغرب میں اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے رہے۔علویوں اور آگے چل کر ان کے مختلف فرقوں نے حکومت کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں، لیکن ان کی تحریکوں کو عباسیوں نے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اسماعیلیوں کی تحریک جو نہایت خفیہ تھی انہیں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔اسی بنا پر آگے چل کر اس فرقہ کے مبلغین نے ان علاقوں کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا جہاں خلافت عباسیہ کی گرفت کمزور تھی، چنانچہ انکی دعوت یمن بحرین خراسان اور افریقہ کے خطے میں مضبوط ہوگئی۔ اس تحریک کے ایک مضبوط داعی عبداللہ الحسن کو افریقہ میں داعی مقرر کیا گیا۔ابوعبداللہ الحسن 280ھ میں یمن سے اس مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لیے افریقہ پہنچے۔انہوں نے دعوت اسماعیلی کی پرزور تبلیغ کی اور اس تحریک کو مغربی علاقوں میں کافی مستحکم کر دیا۔خاص طور پر افریقہ کے سرکردہ قبائل مثلاً قبیلہ کتامہ اور دوسرے بربری قبائل کو اپنا حامی بنا لیا۔ ابوعبید اللہ نے اپنی طاقت مضبوط کر کے وہاں کے عباسی عمال کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔اور ان سے ٹکر لینا شروع کر دی۔اس وقت کے عباسی خلیفہ المکتفی باللہ کو اس تحریک اور عبداللہ کی ابھرتی ہوئی طاقت کی خبر ملی تو اس نے اس وقت کے اسماعیلی امام کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔

افریقہ میں ابوعبداللہ کے خلاف ابراہیم اغلبی نے اعلان جنگ کیا اور ابراہیم اغلبی کے دور میں وہ کامیاب نہ ہو سکا اور وقتی طور پر اس کو جبل ایکجان میں روپوش ہونا پڑا، اس نے یہاں ایک بستی آباد کر لی، اسکا نام دار الہجرت رکھا اور خفیہ طور پر اسماعیلی عقائد کی اشاعت میں لگا رہا۔ابراہیم کے انتقال تک ابوعبداللہ دوبارہ میدان جنگ میں آنے کی جرات نہ کر سکا۔ابراہیم اغلبی کے بعد زیادۃ اللہ نے اغلبی حکومت کا تخت سنبھالا اور اس میں ابراہیم کی سی فراست اور قوت فیصلہ نہیں تھی۔ ابوعبداللہ نے بادشاہ کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور دوبارہ سرگرمی سے اپنی کوشش میں مصروف ہوگیا۔دوسری طرف اپنے آقا عبیداللہ کو افریقہ آنے کی دعوت دی۔ابوعبداللہ کی دعوت پر المہدی مغرب کی طرف روانہ ہوا اور چھپتے چھپاتے افریقہ پہنچا اور 296ھ میں سجلماسہ پہنچ کر قید کیا گیا۔

عبداللہ الحسن 296ھ میں زیادۃ اللہ کے خلاف بربریوں کے لشکر جرار کے ساتھ میدان جنگ میں آ گیا، اور زیادۃ اللہ کو ایک فیصلہ کن

شکست دے کر افریقی شہر اربس پر قبضہ کرلیا اور کئی دن تک قتل عام کیا۔ زیادۃ اللہ جو اس وقت اپنے پائہ تخت رقادۃ میں تھا،اس معرکہ کے بعد اسکی ہمت بالکل ختم ہوگئی۔اور وہ مایوس ہوکر مصر چلا گیا۔

اربس کی شکست کے بعد اغلبی فوج کے سپہ سالار ابراہیم نے قیروان جا کر حسن کے خلاف لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنا چاہا لیکن لوگ حسن کی قوت سے خوف زدہ تھے اس لیے انہوں نے سپہ سالار ابراہیم کو شہر سے نکال دیا۔عبداللہ حسن جب کئی لاکھ کی فوج لے کر پہنچا تو شہر کے سرکردلوگوں نے باہر نکل کر استقبال کیا حسن نے اہل شہر کو امان دیکر رقادۃ کی طرف رخ کیا۔اہل رقادۃ نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی،حسن نے شہریوں کو امان دے دی اور اغلبی خاندان کی کل دولت واملاک اپنے قبضہ میں کر لیے۔اور فاطمی امام عبیداللہ المہدی کی خلافت کا اعلان کر دیا اور شیعی رسوم وشعار جاری کیے۔

عبداللہ حسن نے خلافت کے اعلان اور شہروں کے انتظام سے فارغ ہو کر سلجماسہ کی طرف توجہ کی جہاں اسمٰعیلی امام عبیداللہ قید تھے۔رقادۃ سے کئی لاکھ فوج لیکر سلجماسہ روانہ ہوا،اس کی شان وشوکت دیکھ کر مختلف قبائل نے بغیر کسی مزاحمت کے اطاعت قبول کر لی،اور حسن نے سلجماسہ میں داخل ہوکر عبیداللہ اور انکے لڑکے ابوالقاسم کو قید سے نکالا اور سلجماسہ میں چالیس دن قیام کے بعد انہیں جلوس کے ساتھ لے کر روانہ ہوا،آگے آگے وہ اعلان کرتا جاتا کہ عبیداللہ اصل آقا ہیں،انکے بارے میں اللہ نے وعدپورا کیا اور انکوحق اور غلبہ عطافرمایا۔

عبیداللہ ربیع الاول 297ھ میں دو لاکھ فوج کے ساتھ رقادۃ میں داخل ہوئے،اور امیر المومنین المہدی کے لقب سے تخت سنبھالا اور عام بیعت لی۔اس طرح خلافت عباسیہ بغداد سے آزاد ایک شیعی دینی حکومت قائم ہوئی۔

عباسی خلافت کی کمزوری کے نتیجہ میں جوحکومتیں قائم ہویں وہ اگرچہ خودمختار تھیں لیکن سب بغداد کی خلافت کوتسلیم کرتی تھیں اور جمعہ کی نماز میں عباسی خلفا کا نام شامل کرتی تھیں،لیکن فاطمی حکمرانوں نے عباسی خلیفہ کا نام خطبے سے نکال کر اپنا نام داخل کر دیا ۔فاطمی حکومت اپنے نسب اور خاندان کے اعتبار سے عباسی خلافت کی حریف اور مقابل تھی اور یہ ایک مذہبی فرقہ کی مذہبی مقتدا بھی تھی۔اور آگے چل کر یہ حکومت تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی ترقی میں بھی عباسی حکومت کے مقابل آگئی۔یہ حکومت تقریبا دوسوستر سال تک قائم رہی۔اس حکومت نے تاریخ میں غیر معمولی اہمیت اور شہرت حاصل کی۔اس حکومت نے سیاسی،علمی،ادبی،تمدنی،انتظامی معاشرتی،حربی اصطلاحی تعمیری اور ثقافتی اعتبار سے قابل فخر آثار ونقوش چھوڑے ہیں۔

فاطمی سلطنت کی سیاسی تاریخ دو ادوار میں بٹی ہوئی ہے: پہلا دور افریقی دور کہلاتا ہے۔یہ دور 297ھ/ 908 سے 362ھ/ 793 یعنی ابوعبداللہ الحسن کی کوششوں سے عبداللہ المہدی کی تخت نشینی کی تاریخ سے شروع ہوتا ہے اور خلیفہ المعز کے دور میں مصر کی فتح تک شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) دوسرا دور 362ھ/ 973 سے 567ھ/ 1171،یعنی خلیفہ المعز کے دارالخلافہ مصر منتقل کرنے سے صلاح الدین ایوبی کے مصر پر قبضے اور فاطمی سلطنت کے خاتمے تک شمار ہوتا ہے۔

حکومت سنبھالنے کے بعد المہدی نے ہر شہر میں والی مقرر کیے اور اسماعیلی عقائد کی تبلیغ کے لیے تمام شہروں میں داعی بھیجے۔ابتدا میں اس نے طاقت کے بل بوتے پر عوام کو شیعی عقائد ماننے پر مجبور کیا لیکن ناکام رہا؛اس لیے آگے چل کر اس نے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ المہدی نے جب تمام انتظامات سنبھال لیے اور حکومت میں عبداللہ الحسن کا کوئی عمل دخل باقی نہ رہا تو الحسن نے المہدی کی مخالفت

شروع کر دی اور قبیلہ کتامہ کو بھی بادشاہ سے برگشتہ کر دیا۔المہدی کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے مناسب سمجھا کہ ابوعبداللہ کو منظر سے ہٹا دیا جائے، اور پھر اسکا انجام بھی ابومسلم خراسانی کی طرح ہوا، جس نے حکومت عباسیہ کی بنیاد ڈالنے میں اہم کردار ادا کیا تھا، چنانچہ ابوعبداللہ الحسن بھی قتل کر دیا گیا۔ابوعبداللہ کے قتل کے بعد قبیلہ کتامہ نے بادشاہ سے بغاوت کر دی جو بڑی کوشش کے بعد فرو ہوئی۔قبیلہ کتامہ کی بغاوت کے بعد المہدی نے رقادہ میں خطرہ محسوس کرتے ہوئے المہدیہ کے نام سے افریقہ کے ساحل پر ایک شہر آباد کیا اور دارالخلافہ رقادۃ سے المہدیہ منتقل کر لیا۔

فاطمیین نے جب اغلبی علاقے فتح کیے تو صقلیہ بھی ان کے قبضے میں آ گیا۔اسکے علاوہ خلیفہ المہدی نے بازنطینیوں سے بھی معاہدے کیے؛ تاکہ ساحلی علاقوں کی حفاظت ہو سکے، اسی طرح انہوں نے اندلس میں بھی اسماعیلیت پھیلانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔المہدی نے حکومت کے قیام کے بعد اس بات کی کوشش کی کہ مراکش سے ادریسی حکومت اور مصر سے عباسی حکومت کا خاتمہ کر کے وہاں پر بھی فاطمی حکومت قائم کر دی جائے، چنانچہ ۳۰۱ھ میں ان کے لڑکے ابوقاسم نے مصر پر پہلہ حملہ کیا لیکن زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ۳۰۲ھ میں ابو القاسم نے دوسرا حملہ کیا، ۳۰۶ھ میں تیسری مرتبہ ناکام کوشش کی۔(لیکن سیاسی ناکامیوں کے برخلاف مصر میں فاطمیین کی اسماعیلی تحریک خفیہ طور پر پہنچ چکی تھی)۔البتہ مراقش کا علاقہ جس پر ادریسی خاندان کی حکومت تھی فاطمی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ان کا دارالحکومت فاس (مغرب اقصی) تھا، فاطمیین نے فاس پر قبضہ کر کے ان کو مغرب سے نکال دیا۔یہ لوگ عمارہ (اندلس) چلے گئے اور وہاں بنی امیہ کے زوال کے بعد بنو حماد کے نام سے اپنے ریاست قائم کر لی تھی۔ مہدی نے خارجیوں کے خلاف بھی کارروائی کی اور ان کو شکست دی۔

دوسرے خلیفہ القائم اور تیسرے خلیفہ المنصور نے بھی فاطمی خلافت کے استحکام میں اپنا کردار ادا کیا،ان کے دور میں مختلف بغاوتیں ہوئی، قائم کے دور میں ایک بڑی بغاوت خارجیوں نے برپا کی، اس شورش کا سربراہ ابویزید خارجی تھا۔ یہ زناتہ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور لوگوں کو الناصر لدین اللہ (خلیفہ اندلس) کی دعوت دیتا تھا۔اسکے اور قائم کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان میں اسے کامیابی ہوئی اور اس کا مغرب کے بیشتر شہروں پر قبضہ ہو گیا۔یہاں تک کہ رقادہ اور قیروان بھی ہاتھ سے فاطمی حکومت سے نکل گئے اور قائم کو مہدیہ میں پناہ لینی پڑی۔ ابویزید نے مہدیہ کا محاصرہ کر لیا۔335ھ میں منصور نے ایک بڑا لشکر تیار کیا جس نے غیر معمولی بہادری سے کام لیا اور ابویزید کو شکست دی اور ابویزید کو اقصائے مغرب کی طرف فرار ہونا پڑا اور اس کی قوت بہت کم ہو گئی۔کتامہ کے ساتھ لڑائی میں ابویزید زخمی ہو گیا اور گرفتار ہو گیا، اس طرح یہ بغاوت اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ یہ بغاوت تاریخ میں دجال کے نام سے مشہور ہے۔خلیفہ المنصور کی کوششوں نے خلافت فاطمی کو مستحکم کر دیا۔

5.3.4 دور عروج

فاطمی سلطنت کا عروج مصر کی فتح اور فاطمی دارالخلافت کے افریقہ سے مصر منتقل کرنے سے شروع ہوتا ہے۔عروج کا عہد خلیفہ المعز کے دور سے شمار کیا جاتا ہے۔خلیفہ قائم اور المنصور کے دور کی بغاوتوں کی بنا پر مصر کی طرف ہونے والی پیش قدمی کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا۔اس لیے خلیفہ المعز نے سب سے پہلے جوہر الصقلی کو، جو ایک انتہائی قابل اور وفادار جنرل تھا مصر کی طرف روانہ کیا۔جوہر الصقلی ایک قائد تھا جس نے ابو عبداللہ الحسن کے ساتھ مل کر فاطمی حکومت کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ وہ جزیرہ صقلیہ کو سلطنت کا حصہ بنانے نیز مراقش کی فتوحات کے ذریعہ بڑی عظمت حاصل کر چکا تھا۔خلیفہ المعز کے حکم سے وہ ایک لاکھ سوار اور بے شمار مال ومتاع اور ساز وسامان کے ساتھ مصر پہنچا۔

مصر فوجی اور سیاسی دونوں لحاظ نہایت اہم مقام تھا۔مصر میں اس وقت اخشیدی خاندان کی حکومت تھی۔اور اس اخشیدی فرمانروا کا

دائرہ شام اور حجاز تک وسیع تھا۔ یہ حکومت بھی عباسی خلافت کو تسلیم کرتی تھی۔ 335ھ میں مصر کے حکمران اخشید محمد بن طغج کا انتقال ہوگیا۔اس کے بعد ایک حبشی غلام کافور نے مصر پر بڑی دانائی سے حکومت کی۔356ھ مطابق 967ء کو مصر میں اخشیدی فرمانرواں ملک کافور کا وصال ہوگیا اور اسکے بعد ایک خورد سالہ لڑکے کو اخشیدی فرمانرواں بنایا گیا- جس کی بنا پر اختیارات بادشاہ کے بجائے امرا کے پاس منتقل ہو گئے اور ملک اندرونی خلفشار کا شکار ہوگیا،مصر میں امن وامان کی حالت بگڑ گئی دوسری طرف مصر میں قحط کی وجہ سے معاشی صورت حال کافی پریشان کن تھی، ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ مصری عوام فوجیوں کے ظلم وجور سے نالاں تھی،اس کے علاوہ اسماعیلی تحریک مصر کے گوشے گوشے میں پھیل چکی تھی۔ ان سب عوامل نے مل کر مصر میں فاطمی حکومت کی راہ ہموار کردی،اور مصر ہی کے سرکردا فراد نے خود المعز کو مصر پر حملے کی طرف متوجہ کیا۔

شعبان 358ھ/ یکم جولائی 969ء کو جوہر الصقلی نے اس ملک کو آسانی کے ساتھ مسخر کرلیا اور دارالخلافہ فسطاط تک پہنچ گیا۔مصر کے امیروں،وزیروں عالموں اور قاضیوں نے فسطاط کے دروازے پر جوہر الصقلی کا استقبال کیا۔اس نے مصر میں فاتحانہ داخل ہوکر فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا اور عباسی خلیفہ کا نام خارج کردیا۔اور وہ تمام تبدیلیاں کی جوانہوں نے افریقہ میں حکومت کے وقت کیں تھیں۔ان امور سے فارغ ہوکر وہ انتظام مملکت کی طرف متوجہ ہوا اور قحط کے سد باب،اور امن کی بحالی کے اقدامات پر اپنی توجہ مرکوز کی اور اس سلسلے میں اس نے خاصی فیاضی سے کام لیکر عوام کے دلوں میں اپنے لیے نرم گوشہ بنالیا۔اسکے بعد اس نے اخشیدی امارت کے تحت جتنے مقبوجات تھے وہاں فاطمی تسلط کو وسعت دینے کی پوری کوشش کی،مکہ اور مدینہ میں خاص طور سے بہت سا مال وزر صرف کر کے ان دونوں مقدس شہروں کے باشندوں کو اپنا ہمنوا بنالیا اور وہاں کی عوام نے بلا تاخیر 359ھ مطابق 971-970 میں فاطمیوں کی اطاعت قبول کرلی۔

اخشیدی خاندان کے قبضہ میں شام کے بہت سے شہر تھے،جہاں اخشیدی خاندان کے افراد احکومت کررہے تھے۔اس مصر کی فتح کے بعد جوہر نے اس کی طرف توجہ دی اور ان کی تسخیر کے لیے فوج بھیجی گئی،جس نے ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد دمشق کو 359ھ میں فتح کرلیا۔اس سال حلب وحمص میں بھی بنو فاطمہ کا خطبہ پڑھا گیا۔دمشق کی فتح سے قرامطہ کے مفادات پر ضرب پڑی تھی،کیوں کہ قرامطہ ہر سال ایک کثیر رقم اہل دمشق سے وصول کرتے تھے۔حالانکہ قرامطہ اور فاطمیوں کے عقائد ایک جیسے تھے۔مگر مفادات پر ضرب پڑنے سے وہ فاطمیوں سے لڑنے پر تیار ہوگئے۔اس پر عباسی خلیفہ المطیع باللہ نے ان کی مدد کی اور شام کے مقبوضات فاطمیوں سے چھین لیے گئے۔اس کے بعد انہوں نے مصر پر حملہ کیا لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔

خلیفہ المعز،العزیز اور الحاکم ان تین خلفائکا دور سلطنت فاطمیہ کا دور عروج مانا جاتا ہے۔ان کے دور حکومت میں فاطمی سلطنت اسلامی دنیا کی سب سے بڑی طاقتور اور پائدار سلطنت بن گئی،فاطمی سلطنت کی سرحد خلیفہ العزیز کے دور میں بحیرہ اوقیانوس سے بحیرہ قلزم تک پھیل گئی تھی،فاطمی خلفا تنہا دنیاوی بادشاہ نہیں تھے بلکہ انھیں خلفائے بغداد کی طرح ایک طبقہ کی مذہبی پیشوا حاصل تھی۔ان کا نظام حکومت دوسری اسلامی سلطنتوں کی طرح ہی تھا،جسکا مقتدر اعلی امام یا خلیفہ ہوتا تھا قصر شاہی میں بہت سے محکمے تھے۔اپنے عروج کے دور میں فاطمی سلطنت میں مختلف ممالک اور سماج کے لوگ شامل تھے۔شمالی افریقہ میں شہری زندگی خوشحال اور آسودہ تھی۔اس حکومت نے اداری ومالیاتی تنظیم،معاشرتی ترقی،تجارتی ومعاشی آسودگی،دربار وقصر کی شان وشوکت،اعلی درجہ کی فکری وفنی سرگرمی کی وجہ سے بہت عظمت حاصل کی۔

فاطمیوں کے عہد میں مسلمانوں کی بحری قوت نے بڑی ترقی کی۔انہوں نے مضبوط بحری بیڑے تیار کیے اور نئے شہر آباد کیے،وہ روم

اور نیپلز پر حملے کرتے رہتے تھے اور یورپی بیڑے ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ اسی طرح فاطمیوں کا بحری نظام فوج کافی مستحکم اور منظم تھا۔

اسلامی مصر کی تاریخ میں فاطمی دور سب سے زیادہ شاندار دور تاریخ شمار ہوتا ہے۔ دریائے نیل کے کنارے آباد مصر کی سرزمین نہایت زرخیز تھی۔ فاطمی دور میں قابل انجینئرس نے آبپاشی کے مختلف نئے نئے طریقے ایجاد کیے اور زراعت کو عروج پر پہنچا دیا۔ دریائے نیل پر بند باندھنے کا نظریہ سب سے پہلے ابن الہیثم نے فاطمی دور میں پیش کیا تھا۔ صنعت اور حرفت کے میدان میں بھی انہوں نے کافی ترقی کی، قاہرہ میں مختلف قسم کے کپڑے تیار کیے جاتے تھے، اور انکے بنائے ہوئے ریشمی اور سوتی کپڑے کی بہت مانگ تھی۔ اسکندریہ میں لکڑی کی صنعت، شیشہ سازی اور بلور سازی کی صنعت نے اس زمانے میں بہت ترقی کی، مٹی کے ظروف اور گلدان جن پر طرح طرح کے بیل بوٹے بنے ہوتے تھے بہت زیادہ مشہور تھے۔ چاقو اور قینچی بنانے کی صنعت میں بھی نمایاں ترقی ہوئی، نیز کوزہ گری، پچی کاری، دھاتوں کا کام، ہاتھی دانت کا کام، کاغذ سازی، چینی اور تیل کی تیاری فاطمی عہد کی خصوصیات ہیں۔

مصر کے تجارتی تعلقات حبشہ، نوبہ، قسطنطنیہ، اٹلی، پیزا، وینس، ہسپانیہ، اور یوروپ سے بالخصوص براہ صقلیہ اور افریقہ تمام ممالک سے قائم ہو گے تھے۔ مصر ایک اہم تجارتی شاہراہ تھا ہندوستان اور چین سے تجارت کا بری راستہ مصر سے ہوکر گزرتا تھا۔ دوسری طرف بحیرہ قلزم کی بندرگاہوں سے ہندوستان کے تجارتی جہاز روانہ ہوتے تھے، اور اس وجہ سے تجارتی اعتبار سے فاطمی سلطنت نے نمایاں طور پر ترقی کی۔

5.3.4.1 دولت وثروت

فاطمیوں کے خزانوں میں ایسے جوہرات تھے جو اور ممالک کے خزانوں میں کمیاب تھے۔ مستنصر کے زمانے میں جب قحط پڑا تو جواہرات کے خزانے کا ایک صندوق کھولا گیا، جس میں سات ایسے زمرد نکلے کہ جوہریوں نے ان کی قیمت لگانے سے انکار کردیا کہ اس کی ہمارے پاس کوئی نظیر نہیں ہے۔ معز کی بیٹیوں نے جو ترکہ چھوڑا تو اس کی قیمت کا انداز بھی حیرت انگیز تھا۔ انکے محلات، زر و جواھر اور بیش قیمت ساز وسامان اور نادر روزگار عجائبات سے معمور تھے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ انکے خزانہ میں ایسے بے بہا جواہرات تھے جن کی مثال دنیا میں ناپید تھی۔ سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی، سترہ مثقال کا ایک یاقوت تھا۔ بارہ انگل کے برابر ایک نادر ہیرا بھی انکی ملکیت میں تھا اس کے علاوہ ایسے کم یاب اور بیش قیمت ہیرے جواہرات اور موتی تھے جنکی نظیر نہ مل سکتی تھی۔ تاریخی کتابوں میں بنو فاطمہ کی دولت وثروت کے بارے عجیب وغریب واقعات ملتے ہیں۔

5.3.4.2 محصولات

فاطمیوں نے اپنے عہد میں متعدد مقامات پر ٹکسال قائم کر رکھے تھے۔ جہاں سکے ڈھالے جاتے تھے اور المعزی دینار اس وقت کا سب سے زیادہ قیمتی سکہ شمار ہوتا تھا۔ ٹکسال کے لیے پورا دفتر ہوتا تھا جسکا سربراہ قاضی القضاۃ ہوتا تھا، خلیفہ المعز اس سلسلے میں سب سے زیادہ سرگرم تھا۔ دولت فاطمیہ کے ذرائع آمدنی کافی اہم تھے، جس میں جزیہ خراج محصول زکوۃ، مستغلات شامل ہیں۔ مصر میں زمین کے محصول خراجی اور ہلالی کہلاتے تھے۔ مگر فاطمین کے ان محاصل میں اس کے علاوہ فطرہ، نجوی وغیرہ شامل ہیں۔ خمس عام طور پر مال غنیمت سے لیا جاتا تھا۔ فاطمین اپنے مریدوں سے نجوی لیتے تھے۔ یعنی مرید جب اسمعیلی دعوت میں داخل ہوتا یا داعی یا امام کی خدمت میں پیش ہوتا تو وہ ساڑھے تین درہم نذرانہ پیش کرتا تھا۔ متمول مرید ساڑھے تنتیس دینار بھی دیا کرتے تھے۔ اہل کتاب سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس کی شرح آمر کے

زمانے میں ڈیرھ دینار تھی۔حافظ کے دور میں اس میں اضافہ کر کے دو دینار مقرر کیئے گئے۔اس کے علاوہ فاطمیوں کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ قاہرہ کا کرایا بھی تھا۔شہر کی دوکانیں، ہوٹل، حمام اور جتنی پبلک عمارتیں تھیں ان سب کا کرایہ دو سے دس دینار وصول کیا جاتا تھا۔

5.3.5 زوال

فاطمی سلطنت کے زوال کی بنیاد خلیفہ الحاکم کے دور میں پڑی، اسکی تلون مزاجی اور اہل سنت کے ساتھ اسکے جانبدارانہ رویہ سے عوام برگشتہ ہوگئی، اگلے خلفا میں سیاسی بصیرت کی کمی اور لہو ولعب میں مشغولی بھی سلطنت فاطمیہ کے زوال کا اہم سبب ہے۔ فاطمی خلافت کے مصر منتقل ہونے کے کچھ عرصے بعد سے ہی صقلیہ کے انتظام پر انکی گرفت رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی۔اور یورپ سے نزدیک ہونے کی بنا پر وہ عیسائیوں بادشاہوں کے لیے تر نوالہ بن گیا، 1091 میں صقلیہ ہمیشہ کے لیے عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔فوج جس نے سلطنت فاطمیہ کے قیام اور استحکام میں ایک نمایاں کردار ادا کیا تھا مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر نسلی تعصب کا شکار ہوگئی، اور سلطنت میں جا بجا بغاوتیں پھوٹ پڑیں، فوج کی اس کمزوری کی بنا پر سلطنت فاطمیہ کی سرحدیں سکڑنے لگیں۔افریقہ میں مرابطین، اور شام میں سلجوقیوں نے اپنا قبضہ جمالیا۔

عیسائیوں نے فاطمی خلفا کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر صلیبی حملے شروع کر دیئے اور 489ھ میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا اور مصری اس کا دفاع نہیں کر سکے۔ 510ھ میں عیسائیوں نے مصر پر حملہ کیا اور تنیس کے قریب پہنچ گئے۔جس کے بعد فاطمیوں کی رہی سہی قوت بھی ختم ہوگئی۔اور خلیفہ فائز کے عہد میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ اپنی حکومت بچانے کے لیے صلبیوں کو سالانہ رقم دیتے تھے۔ خلیفہ عاضد کے عہد میں عیسایئوں کے ظلم سے تنگ آکر مصر کو صلیبیوں کی ریشہ دوانیوں سے بچانے اتا بکی سلطان نور الدین زنگی اور اسد الدین شیر کوہ سے درخواست کرنا پڑی۔

خلیفہ فائز کے انتقال کے بعد حافظ کے ایک پوتے العاضدلدین اللہ (555ھ تا 567) جواس کے بیٹے یوسف کا لڑکا تھا خلیفہ بنایا گیا۔

یہ

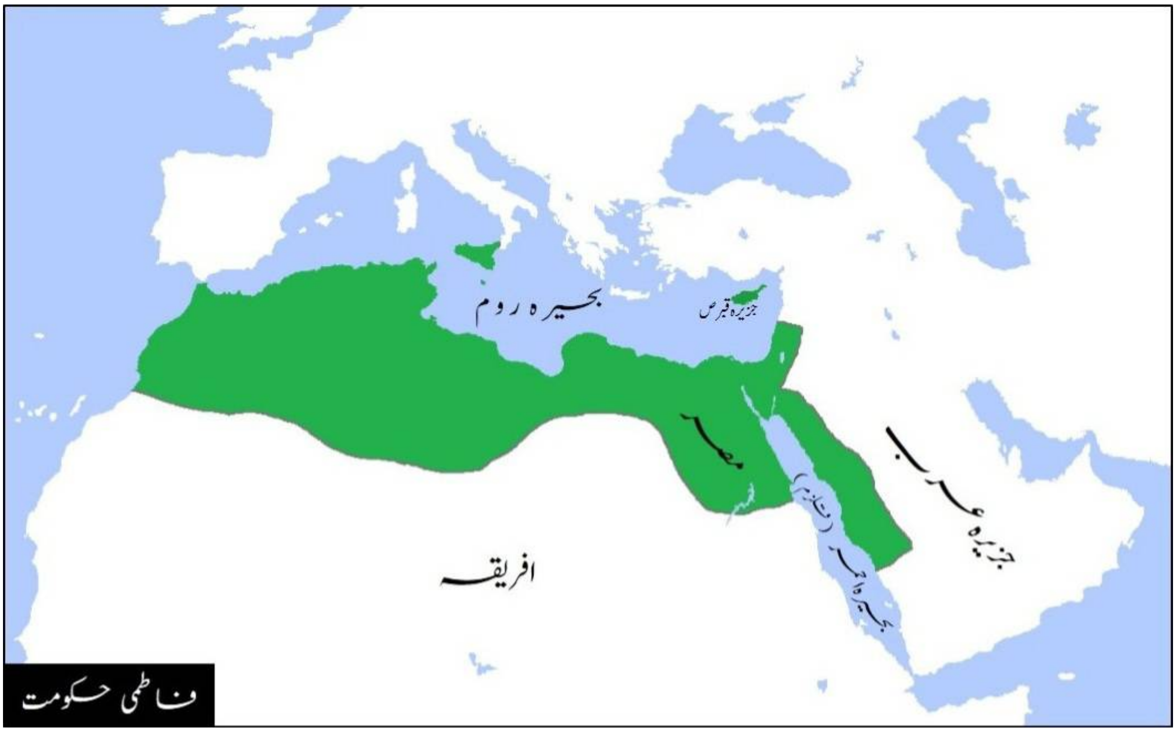

کم

سن لڑکا تھا اور یہ فاطمیوں کا آخری خلیفہ تھا، اس کے عہد میں ہی صلاح الدین ایوبی کا مصر پر قبضہ ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی 567ھ میں فاطمی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔

5.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- حکومت فاطمیہ اپنے دور کی ایک عظیم الشان حکومت تھی۔ اس نے مختلف میدانوں میں اپنے لاثانی نقوش چھوڑے۔
- فاطمی خلفاء اپنی نسبت حضرت فاطمہؓ سے جوڑتے تھے، اسی لیے یہ فاطمی کہلاتے تھے۔ بنیادی طور پر یہ لوگ اسماعیلی شیعہ تھے، جنکو باطنی بھی کہا جاتا تھا۔
- یہ حکومت تقریبا دوسو باسٹھ (262) سال قائم رہی۔ ابوعبداللہ الحسن کی مدد سے یہ حکومت ۲۹۷ھ میں قیروان کے علاقے میں اسماعیلی امام عبیداللہ المہدی نے قائم کی۔ اس میں کل چودہ حکمران گزرے۔
- حکومت فاطمیہ دو ادوار میں منقسم ہے: افریقی دور (362ھ-297ھ) اور مصری دور (567ھ-362ھ)۔
- المعزلدین اللہ دولت فاطمیہ کا سب سے قابل حکمران شمار ہوتا ہے۔
- مختلف اعتبار سے خلیفہ العزیز باللہ اور خلیفہ الحاکم کا نام بھی تاریخ میں نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔

5.5 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ فاطمی حکومت کے قیام پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔

2۔ ابوعبداللہ الحسن کون تھا؟ فاطمی حکومت کے قیام میں اسکی خدمات کا تعارف کرائیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ فاطمی حکومت کے قیام واستحکام پر سیر حاصل بحث کیجیے۔

2۔ فاطمی حکومت کے مصری دور پر ایک نوٹ تحریر کریں۔

5.6 فرہنگ

متقاطع	ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی (Intersecting)
مربع	چوکور
مثمن	آٹھ پہلو والی شکل
خوردسالہ	کم سن، کم عمر

5.7 تجویز کردہ کتابیں

تاریخ دولت فاطمیہ	: انیس احمد جعفری
The Islamic Dynasties of Arab East	: Abdul Ali
ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	: ثروت صولت
تاریخ اسلام (جلد اول)	: ڈاکٹر حمید الدین
تاریخ اسلام (جلد چہارم)	: شاہ معین الدین ندوی
اسلامک انسائکلو پیڈیا۔	

فاطمی سلطنت کے حکمراں

نمبر	نام	کنیت	لقب	حکومت کا دور
ابتدائی دور (قیام واستحکام)				
1	عبیداللہ	ابومحمد	المہدی	(297-322ھ) / (909-934ء)
2	محمد	ابوالقاسم	القائم بامراللہ	(322-334ھ) / (934-945ء)
3	اسماعیل	ابوطاہر	المنصور باللہ	(334-341ھ) / (945-952ء)
دورعروج				
4	معد	ابوتمیم	المعزلدین اللہ	(341-365ھ) / (952-975ء)
5	نزار	ابومنصور	العزیز باللہ	(365-386ھ) / (975-996ء)
6	منصور	ابوعلی	الحاکم بامراللہ	(386-411ھ) / (996-1020ء)
دورزوال				
7	علی	ابوالحسن	الظاہرلاعزاز دین اللہ	(411-427ھ) / (1020-1035ء)
8	معد	ابوتمیم	المستنصر باللہ	(427-487ھ) / (1035-1094ء)
9	احمد	ابوالقاسم	المستعلی باللہ	(487-495ھ) / (1094-1101ء)
10	منصور	ابوعلی	الآمر باحکام اللہ	(495-524ھ) / (1101-1130ء)
11	عبدالمجید	ابومیمون	الحافظ لدین اللہ	(524-544ھ) / (1130-1149ء)
12	اسماعیل	ابومنصور	الظافر بامراللہ	(544-549ھ) / (1149-1154ء)
13	عیسی	ابوالقاسم	الفائز بنصراللہ	(549-555ھ) / (1154-1160ء)
14	عبداللہ	ابومحمد	العاضدلدین اللہ	(555-567ھ) / (1160-1171ء)

اکائی 6 : فاطمی دور میں علمی خدمات اور فن تعمیر

اکائی کی ساخت

6.1 تمہید
6.2 مقصد
6.3 علمی خدمات
6.3.1 اہم علمی شخصیات
6.3.2 کتب خانہ
6.4 فن تعمیر اور معماری
6.4.1 شہروں کی تعمیر
6.4.2 فاطمی فن تعمیر کا مصری دور
6.4.3 مساجد
6.4.4 وزیر بدر الجمالی کی خدمات
6.4.5 مقبرے
6.5 اکتسابی نتائج
6.6 نمونہ امتحانی سوالات
6.7 فرہنگ
6.8 تجویز کردہ کتابیں

6.1 تمہید

عباسی دور میں متعدد خاندانی حکومتیں قائم ہوئیں، جن میں مصر کی فاطمی خاندان کی حکومت اپنے کارناموں اور مخصوص مذہبی پس منظر کی وجہ سے اہمیت رکھتی ہے، فاطمی حکومت اپنے نسب اور خاندان کے اعتبار سے عباسی خلفا کی حریف تھی بلکہ ایک مذہبی فرقہ کی مقتدا بھی تھی ،اور آگے چل کر یہ حکومت تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی ترقی میں بھی عباسی حکومت کی مقابل بن گئی۔ یہ حکومت تقریبا دوسوستر سال تک باقی رہی۔اس اکائی میں ہم فاطمی خاندان کی علمی خدمات اور اس عہد کے فن تعمیر کا مطالعہ کریں گے۔

6.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد فاطمی سلطنت کی علمی اور تعمیری خدمات سے طلبہ کو واقف کرانا ہے۔ اس کائی کے مطالعہ سے طلبہ فاطمی سلطنت کی اہم علمی خدمات، علمی شخصیات اور علمی اداروں اور کتب خانوں سے واقف ہوسکیں گے۔ اس کے علاوہ طلبہ اس دور کے فن تعمیر سے بھی آ گاہی حاصل کرسکیں گے، کہ اس دور میں عمارتوں اور مساجد ومقابر کی تعمیر، ان کی آرائش وزیبائش اور شہروں کی آبادکاری کے کیا طریقے تھے، پھر مصر میں اس فن میں کیا پیش رفت ہوئی، اور اس کے اہم معماران کون کون تھے، انہوں نے کیا خدمات انجام دیں، ان تمام چیزوں سے طلبہ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد واقف ہوسکیں گے۔

6.3 علمی خدمات

فاطمیین نے اپنے دور عروج میں علم وادب اور فن تعمیر میں بہت ترقی کی۔ فاطمیوں کا زمانہ ارباب علم وفن کی وجہ سے خاص طور پر ممتاز رہا، طبیب، فلسفی اور ریاضی داں علی الحسن المعروف ابن الہیثم البصری، اور مشہور ہیئت داں علی بن یونس فاطمی عہد کی معروف شخصیات ہیں۔ اس عہد میں مورخین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جنھوں نے مختلف موضوعات پر تصنیفات پیش کیں۔ تمثیلی انداز میں کئ تفاسیر لکھی گئیں، فقہ اور علم باطنی کے موضوع پر بھی کافی کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور میں آنکھوں کے علاج سے متعلق جتنی کتابیں تصنیف کی گیں وہ اپنے موضوع پر آج بھی اہم کتابیں تصور کیں جاتی ہیں۔ اس دور میں تاریخ کے علاوہ جغرافیہ پر بھی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ شعروشاعری کی بھی کافی قدر ومنزلت کی گئی ۔مصر اس زمانہ میں گہوارہ تہذیب وتمدن اور علم وفن تھا، فاطمیوں کا کتب خانہ قرطبہ اور بغداد کے کتب خانوں کی نظیر تھا۔

فاطمی عہد میں ابتدائی تعلیم گھر میں اور اس کے بعد مساجد میں دی جاتی تھی۔ اگر چہ کہ فاطمی عہد میں زیادہ مدرسے نہیں بنائے گئے، لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ فاطمی عہد میں جتنے بھی مدرسے تھے وہ اپنے وقت کے جدید اور ترقی یافتہ مدارس میں شمار ہوتے تھے۔ جہاں تحقیقی اور علمی کام اعلی پیمانے پر ہوتا تھا۔ اسکے علاوہ فاطمیوں کے عہد میں ایک علاحدہ تعلیمی نظام کو بہت زیادہ فروغ ملا جس کا مقصد اسماعیلی عقائد کی تعلیم، تحقیق اور اشاعت تھا۔ اسے دعوۃ کہتے تھے، اس میں علمی بحث مباحثے ہوتے تھے جسے مجالس الحکم کا نام دیا گیا تھا، اس میں عوام کو بھی تعلیم کے لیے شامل کیا جاتا تھا اور تعلیم دینے والے کو داعی کہتے تھے، ان مجالس میں مذہب باطنی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسماعیلی عقائد کے بارے میں اکثر تعلیمات انتہائی خفیہ انداز میں دی جاتی تھیں، سوائے قریبی لوگوں کے انکے عقائد کا کسی کو علم نھیں ہوتا تھا خواہ وہ ان کے عقائد کے پیرو ہی کیوں نہ ہوں۔

بنوفاطمہ نے جب مصر کو فتح کر کے قاہرہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تو جوہر الکاتب الصقلی نے، جو ابوتمیم المعز کا سپہ سالار تھا، 359ھ میں الازہر کے نام سے مسجد کی بنیاد رکھی۔ مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا جو کچھ مدت بعد دینی اور دنیوی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ چونکہ یہاں دور دور سے طلبہ آتے تھے اس لیے اس کی حیثیت اقامتی درس گاہ کی ہوگئی۔ یہ اسلام کی قدیم ترین درسگاہ ہے۔

خلیفہ الحاکم اپنے محل میں علمی مجالس کا اہتمام کرتے تھے، آگے چل کر حاکم نے ان مجالس کے لیے دار الحکمت کے نام سے 1004 میں ایک ادارہ قائم کردیا، جس نے بغداد کے بیت الحکمت کی طرح تاریخ میں اپنا نام درج کروایا۔ یہ ادارہ بنیادی طور پر اسماعیلی تعلیمات کے لیے بنایا گیا تھا، خلیفہ حاکم نے اس میں عصری اور طبیعی علوم کی تحقیق وتعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا، آگے چل کر کتب خانہ بھی اس ادارے سے منسلک ہو گیا، جو بغداد اور قرطبہ کے کتب خانوں کی نظیر تھا۔ اس میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نادر اور قیمتی کتب موجود تھیں۔ اس کتب خانہ میں 1200 نسخے

ابن جریر طبری کی تاریخ کے تھے جو خود کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ یونان، فارس اور ہندوستانی ممالک کی بھی کئی نایاب کتابیں موجود تھیں۔

خلیفہ الحاکم نے سائنسی اور فلکیاتی تجربات کے لیے ایک رصد گاہ قاہرہ کے باہر جبل مقطم کے مقام پر قائم کی۔ اس رصد گاہ میں اس وقت کے نامور اور مشہور ہیئت دان علی بن یونس نے سترہ سال تک تجربات کیے۔ اس کے علاوہ مشہور سائنس دان ابن الہیثم نے بھی اس رصد گاہ میں فلکیات اور فزکس کے تجربات کیے۔ اس کے علاوہ کئی علما و ماہرین اس رصد گاہ سے وابستہ تھے۔

6.3.1 اہم علمی شخصیات

فاطمی سلطنت میں ذہنی ادبی اور فنی سرگرمیوں کو بہت زیادہ فروغ ملا۔ افریقہ اور مصر میں فاطمیوں کے دربار میں شاعروں کی بہت ہمت افزائی کی گئی۔ تصنیف و تالیف کا کام بھی اس عہد میں قابل ذکر پیمانے پر ہوا ہے۔ اس دور میں خاص طور پر ایسی کتابوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی جن کا تعلق اسماعیلی عقائد کی تشریح، قرآن کی تمثیلی انداز اور مجازی رنگ میں تفسیر اور فلسفے سے تھا۔ اس کے علاوہ علوم طبعی اور سائنس کے میدان میں بھی اس عہد میں بنیادی کتابیں بہت زیادہ لکھی گئیں۔ فاطمیوں کا زمانہ ارباب علم وفن کی وجہ سے خاص طور پر ممتاز تھا۔ ان میں چند مشاہیر کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

قاضی نعمان: یہ فاطمی دور کے مشہور فقیہ اور قاضی تھے۔ فقہ اور خاص کر باطنی عقائد کی تشریح کے علاوہ فن تاریخ کے موضوع پر ان کی کئی تصنیفات موجود ہیں۔

یعقوب بن کلس خلیفہ العزیز کے وزیر اعظم تھے۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں ان کا انتقال 328ھ میں ہوا۔

المختار المسبحی محمد بن قاسم: المسبحی کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں، مصر کی تاریخ پر تاریخ الکبیر کے نام سے اہم کتاب تصنیف کی جو اب ناپید ہے۔

ابوعلی حسن الہیثم: مشہور و معروف سائنس دان، ہیئت دان، فلسفی، طبیب (354ھ 965ء) کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ریاضی، ہیئت، فلسفہ اور طب پر ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ملک مصر میں دریائے نیل پر بند باندھنے کا خیال سب سے پہلے انھوں نے پیش کیا تھا، تاکہ تمام سال اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے، بادشاہ الحاکم نے انکے اس منصوبہ کو بہت زیادہ پسند کیا؛ لیکن اس زمانے کے آلات کے ساتھ اس منصوبے کو پائے تکمیل تک پہنچانا ناممکن تھا۔ انھوں نے جس جگہ کو بند تعمیر کرنے کے لیے منتخب کیا تھا، آج اسی جگہ پر سد عالی کے نام سے ڈیم موجود ہے۔

ابن الہیثم اور علم بصریات: علم بصریات میں ابن ہیثم کو کمال حاصل تھا، ان کی کتاب ''کتاب المناظر'' نے بہت شہرت پائی، اس کتاب میں سات مقالے ہیں۔ اس کتاب کا اصل نسخہ ناپید ہو چکا ہے، مگر اس کا لاطینی ترجمہ جو 1572 میں ہوا تھا باقی ہے۔ اس کتاب سے عہد وسطی کے تمام مغربی سائنسدانوں نے بہت مدد لی۔ راجر بیکن اور کیپلر کی تصنیفوں میں اس کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ابن الہیثم نے اس کتاب میں اقلیدس اور بطلیموس کے اس نظریہ کی مخالفت کی کہ آنکھ سے بصری شعاعیں نکل کر مرئی شے کی طرف جاتی ہیں۔ ابن الہیثم نے زاویہ انعکاس کو معلوم کرنے کے لیے تجربے بیان کیے ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے یہ ثابت کیا کہ روشنی ہمیشہ خط مستقیم میں سفر کرتی ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے انھیں بطلیموس ثانی کا لقب دیا گیا۔ بصریات کے موضوع پر انکی 20 سے زیادہ کتابیں ہیں، بصریات کے میدان میں انکا مقام نیوٹن کی طرح ہے۔ انھوں نے قوس وقزح کے موضوع پر بھی کتاب لکھی ہے۔

ابن الہیثم طبیب اور دوا ساز بھی تھے۔فن طب میں انھیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ان کو آنکھ کی سرجری میں کمال حاصل تھا۔آنکھوں کی بینائی پر نفسیاتی اثرات کا سب سے پہلے جائزہ لیا۔ ریاضیات کے میدان میں بھی انکا پایہ بہت بلند ہے۔ انکا شمار عالم عرب کے سب سے عظیم سائنس دان کے طور پر ہوتا ہے۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں چاند کے ایک دہانہ کا نام ان کے نام پر رکھا گیا ہے، اور فروری 1997 میں ایک نو دریافت شدہ سیارچے کو بھی ان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ان کی وفات 430ھ 1040ء میں ہوئی۔

ابن یونس: ابوالحسن علی بن عبدالرحمن مصری (وفات 399ھ) جو علی بن یونس کے نام سے مشہور ہوئے، ماہر ہیئت دان، سائنس دان اور اپنے زمانے کے سب سے عظیم ماہر فلکیات تھے۔انھوں نے اجرام فلکی کے مشاہدات اور تجربات کے بعد چار جلدوں میں الزیج الحاکمی کے نام سے ایک فلکیاتی جدول تیار کی۔ اس کتاب میں ابن یونس نے ثابت کیا کہ چاند کی رفتار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کتاب میں بہت تحقیق اور تصحیح سے مسائل ہیت لکھے ہیں۔ ابن خلکان نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔ ابن یونس نے اپنا بنایا ہوا اصطرلاب استعمال کر کے کئی سال سورج کے مقامات میں سے دس ہزار مداخل کا مشاہدہ کیا۔ابن یونس نے پینڈولم ایجاد کیا۔انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ابن یونس کی خدمات کے اعتراف میں چاند کے ایک دہانے کا نام انکے نام پر رکھا گیا ہے۔

عمر بن الموصلی: یہ ایک مشہور عالم اور سائنس داں ہیں، انہوں نے آنکھ، بینائی اور بصارت کے موضوع پر اہم کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی کتاب ''المنتخب فی علاج العین'' آنکھوں اور ان کے علاج پر ایک عمدہ تصنیف سمجھی جاتی تھی۔ انہوں نے موتیا بند کے علاج کے سلسلے میں آنکھ سے موتیا کو ایک نلکی کے ذریعہ چوس کر باہر نکالنے کے طریقے کی اس کتاب میں وضاحت کی ہے۔

محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی: یہ شافعی فقیہ مستنصر کے عہد میں مصر کے قاضی تھے۔ ان کی کتابوں میں کتاب الشہاب، کتاب مناقب الامام شافعی، تواریخ الخلفا اور کتاب خطط مصر بہت مشہور ہیں۔ انھوں نے ۴۵۴ھ میں وفات پائی۔

طاہر بن بشاذ الخلوی یہ ویلمی تھے اور علم نحو پر امام سمجھے جاتے تھے اور انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔469ھ میں وفات پائی۔

حکیم ناصر خسرو یہ اسماعیلی داعی اور سیاح تھے، کئی کتابیں تصنیف کیں، انکا سفرنامہ بہت مشہور ہے۔

احمد حمیدالدین الکرمانیہ فاطمی داعی کے اعلی مراتب پر فائز تھے اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

اسماعیلی دور میں بہت سے مشہور شعرا گزرے ہیں۔جن میں ابن ہانی، الامیر تمیم زیادہ مشہور ہیں۔

6.3.2 کتب خانہ

فاطمی خلفا کو علم کی نشر واشاعت کے ساتھ اسکی حفاظت کا بھی بہت اہتمام تھا۔ کتابوں اور کتب خانوں سے انہیں غیر معمولی دلچسپی تھی۔عوامی کتب خانوں کے علاوہ ان کے ذاتی کتب خانے بھی انتہائی شاندار تھے۔ ابن الاثیر کے مطابق المہدی بانی دولت فاطمیہ کو اپنے بزرگوں سے ایک کثیر تعداد کتابوں کی ورثہ میں ملی تھی۔خلیفہ المعز نے جب دار الخلافہ قیروان سے مصر منتقل کیا تو دیگر یادگاروں کے ساتھ وہ کتب کا ذخیرہ بھی مصر منتقل ہو گیا۔ان کے کتب خانوں میں بعض کتابوں کے غیر معمولی نسخے تھے۔ چنانچہ شاہی کتب خانے میں کلام مجید کے 2400 نادر نسخے تھے جنہیں مشہور خطاطوں نے لکھا تھا اس کتب خانہ میں قرات، حدیث، فقہ، نحو، حساب، نجوم، منطق اور فلسفہ وغیرہ یعنی اس وقت جتنے علوم اس زمانے میں رائج تھے، ہر علم وفن پر کتب موجود تھیں۔ انکی تعداد لاکھوں میں تھی، اکثر کتابوں کئی کئی نسخہ جات تھے، ایک وقت

خلیفہ العزیز نے کتاب العین کا ذکر کیا تو داروغہ نے کتاب مذکور کے قریب تینتیس نسخے پیش کیے جس میں ایک خود مصنف خلیل ابن احمد بصری کا تحریر کردہ تھا۔ فاطمی وزیر یعقوب بن کلس کا کتب خانہ چالیس جدا جدا کتب خانوں پر مشتمل تھا، جس میں ایک کتب خانہ صرف فلسفہ اور علم قدیم کی کتابوں کیلیے مختص تھا۔

مقریزی کا کہنا ہے کہ کتابوں کا ایسا ذخیرہ کسی بادشاہ کے پاس نہیں ہوگا جیسا کہ فاطمیوں کے پاس تھا۔ اس کتب خانہ میں قرات، حدیث، فقہ، نحو، حساب، نجوم، منطق، اور فلسفہ وغیرہ جتنے علوم اس زمانے میں رائج تھے، سب کے متعلق کتابیں موجود تھیں، جن کی تعداد لاکھوں میں تھیں، اکثر کتابوں کے کئی نسخہ جات تھے۔ علامہ مقریزی اس کتب خانے میں کتب کی تعداد چھ لاکھ چھ ہزار بتاتے ہیں۔ علم حساب اور علم نجوم پر مشتمل کتابوں کی تعداد تقریبا چھ ہزار تھی۔ مقریزی کی کتاب الخطط والعصر کے مطابق اس کتب خانے میں چالیس وسیع وعریض کمرے تھے۔ ہر کمرے میں تقریبا اٹھارہ ہزار کتابیں رکھی جاتی تھیں۔

سب سے قدیم اسلامی جلد بندی مصریوں کی شمار ہوتی ہے۔ فاطمی عہد میں اس فن کو بہت ترقی ہوئی، چمڑے کی نہایت خوش نما اور منقش جلدیں بنائی جاتی تھیں۔ مستنصر کے زمانے میں جب ترکوں نے لوٹ مار کی تو بہت سی کتابیں جلا دی گئیں۔ بعض کتابوں کی جلدیں توڑ کر جوتیاں بنالی گئیں۔

6.4 فن تعمیر اور معماری

فن تعمیر فاطمیین کا خاص میدان عمل رہا ہے، انہوں نے فن تعمیر کو ایک نئی جہت اور شناخت عطا کی اور اپنی عمارتوں کی تعداد اور انفرادیت کی بنا پر تاریخ میں انہیں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ فاطمی فن تعمیر قدیم اور جدید اسلامی فن تعمیر کے درمیان ایک پل تصور کیا جاتا ہے۔ فاطمی دور کے تقریبا ہر بادشاہ نے اپنے نام سے شہر آباد کیے، اور ہر خلیفہ نے اپنے لیے محل تعمیر کروائے، جن کی شان وشوکت تاریخ میں ضرب المثل ہے۔ انگریز مورخ لین پول نے فاطمی دور کی فن تعمیر اور فنون لطیفہ کا ذکر کیا ہے، اور خلیفہ المعز کے محل 'قصر کبیر' کے بارے میں لکھا ہے کہ: ' قصر کبیر میں چار ہزار کمرے اور ایک عالی شان طلا کار ایوان تھا۔ جس میں سونے کی جالی کی پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوا تھا جہاں بادشاہ جلوس کرتا تھا۔ قصر زمردین جس میں سنگ مرمر کے ستون تھے، دیوان خاص کا کام دیتا تھا۔

6.4.1 شہروں کی تعمیر

☆ شہر المہدیہ

فاطمیین نے اپنے قدم سیاسی طور پر مضبوط کرنے کے ساتھ ہی فن تعمیر کی طرف اپنی صلاحیتوں کا رخ کیا اور افریقہ کے شمالی ساحل پر بانی دولت فاطمیہ خلیفہ المہدی نے المھدیہ کے نام سے ایک شہر کی بنیاد ڈالی، المھدیہ فاطمیین کی سب سے ابتدائی تعمیر تھی، اس شہر میں اسلامی مزاج کے اعتبار سے درمیان میں مسجد تعمیر کی گئی۔ اسکے بعد بادشاہ کے لیے محل وسیع و پرشکوہ تعمیر کیا گیا، جو قصر الذھب کے نام سے معروف تھا اس کے دروازے اور کھڑکیوں پر تذہیب کاری (سونے کا کام) کی گئی تھی، درمیان میں ایک گنبد تعمیر کیا گیا۔ اس شہر کے مشرقی حصہ میں قصر الذھب کے نام سے خلیفہ کا محل تعمیر کروایا، دوسرے خلیفہ قائم نے اسکے بالمقابل اپنے لیے محل تعمیر کروایا۔ اس شہر کے گرد فصیل تعمیر تھی، جس کی چوڑائی تقریبا دس میٹر تھی اور اس کے اندر ایک سو دس بلند مینارے تھے۔ جو اس شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس شہر کی حفاظت

کے لیے بھی کارآمد تھے۔ بغاوت دجال کے موقعے پرشہر کی فصیلوں نے مضبوط دفاع کا کارنامہ انجام دیا، یہ شہر ساحل کی جانب قلعہ بندیوں سے گھرا ہوا تھا۔خشکی کی طرف اس میں دومضبوط دروازے تھے، ایک ثقیفہ الکحل اور دوسرا باب الزویلہ۔ باب الداخلہ میں گھوڑے کی شکل کی محراب تھی ،اور کانسی کے بنے ہوے دوشیر کے مجسمے تھے، جوایک دوسرے کے بالمقابل ایستادہ تھے۔فصیل میں 108فٹ طویل اور 16 میٹر وسیع گنبددار ڈیوڑھی تھی جس کے اختتام پرایک مضبوط آہنی دروازہ تھا، دونوں دروازوں میں سےثقیفہ الکحل کے کچھ آثار آج بھی باقی ہیں۔

916ء میں اس شہر میں جامع مسجد تعمیر کی گئی، جوخوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ یہ عمارت ایک ہال اور برآمدہ پر مشتمل تھی۔ درمیانی ہال میں نوگلیارے، جڑواں ستونوں کی آٹھ قطاروں کے ذریعہ منقسم تھے۔ برآمدہ کے چاروں طرف مضبوط ستونوں پرگھوڑے کی نعل کی شکل کے محراب تھے۔مسجد کے درمیان کا محراب دوسرے محرابوں کے مقابلے میں طویل تھا۔جس پر درمیانی گنبد کے ساتھ کئی گنبد تعمیر کیے گے تھے۔اندرونی صحن چاروں طرف سے گنبددار محرابوں اور جڑواں ستونوں پر مشتمل تھا۔اسکے محرابوں کی بناوٹ میں اموی عباسی اوراغلبی فن تعمیر کی جھلک نظرآتی ہے۔اس عمارت کا پیش رخ سہ رخی (تکونی) ڈیزائن پر مشتمل تھا،مسجد کے کناروں پر تعمیر کیے گئے دومستطیل ستون فاطمی دور کی اختراع تھی۔اس شہر کی اہم عمارت اسلحہ خانہ کی تھی، جواس وقت کا سب سے جدید ترین اسلحہ کا خزانہ تھا۔

☆ شہرالمنصوریہ

تیسرے خلیفہ المنصور نے سیاسی نقطہ نظر سے اپنا دارالخلافہ منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور رقادہ اور قیروان کے درمیان ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی۔ یہ شہر دائرہ کی شکل میں آباد کیا گیا تھا،جس کی فصیل 13فٹ وسیع تھی اوراس میں چار مضبوط دروازے تھے۔شہر میں 'الازہر' کے نام سے ایک مسجد بھی تعمیر تھی، شہر میں تقریبا تین سوحمامات تھے۔جگہ جگہ پانی پہنچانے کے لیے تالاب بنے تھے،اس شہر میں قصرالبحر،قصرالایوان،قصر الکافور،قصرالتاج،قصرال آس، کے علاوہ بھی کئی محل تھے۔اس وقت کے مورخین اور مصنفین نے اس شہر کی خوبصورتی اورآسائشوں کے بارے میں حیران کن باتیں کہیں ہیں،موجودہ دور میں ہونے والی کھدائیاں ان کے بیان کردہ تحریروں کی تصدیق کرتی ہیں۔گذشتہ سالوں میں ایک وسیع وعریض عمارت دریافت ہوئی ہے، یہ عمارت 66x295فٹ کی وسعت کے ساتھ المنصوریہ کے جنوب میں واقع تھی۔اس میں تین بڑے بڑے ہال کے سامنے الٹے ٹی (T) کی شکل میں ہال ہے جوکہ شائد حاضرین کیلئے مخصوص تھا۔عمارت کے سامنے ایک وسیع حوض 460x230 فٹ کاہے۔محل کی دیواروں پر پرٹائلوں اور گچ سےنقش ونگار بنے ہوے ہیں،نقش ونگار میں پھول پتیوں کے علاوہ انسان اور جانوروں کی شبیہیں بھی پائی گئی ہیں،اوراس میں باریکی کے ساتھ اس دور کی ثقافت اور رہن سہن لباس وغیرہ کا عکس نظرآتا ہے۔المنصوریہ اس عہد کا اہم اور نہایت پرشکوہ شہر تھا۔اس شہر کا طرزتعمیرآگے کے خلفا نے بھی اپنایا،اورخلیفہ المعز نے قاہرہ کےشہر کی تعمیر کے لیے اپنے سالار جوہر کے سامنے اسی شہرکونمونے کےطور پر پیش کیا۔

☆ شہرالعاشر:

شمالی افریقہ میں خلیفہ المعز نے مصر منتقلی کے وقت بربری قبیلوں صنماجی کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ زردی نے 935ء میں القائم کے زمانے میں ہی العاشر کے نام سے ایک شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہ شہر مستطیل شکل میں آباد کیا گیا تھا۔اسکی فصیل کان کے پتھر سے تعمیر کی گئی تھی۔ 11ویں صدی کی ابتدا میں بنوحماد نے بھی ہودان کے سطح مرتفع پرایک شہر بسایا جس میں رہائشی مکانات اور بازار کے علاوہ کئی محل تھے۔اس کی

جامع مسجد کا ایک بلند مینار آج بھی اپنی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔اس کا مینار سہ رخی ڈیزائن پر مشتمل ہے۔درمیانی محراب مینار کی بلندی تک طویل ہے۔جس میں تین دریچے ہیں۔

6.4.2 فاطمی فن تعمیر کا مصری دور

فاطمی فن تعمیر کا اصل رنگ مصر کی عمارتوں میں نظر آتا ہے، القاہرہ کا شہر جو خلیفہ المعز کے حکم پر سپہ سالار جوہر الصقلی نے تعمیر کروایا تھا، اپنے فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ شہر دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر آباد کیا گیا تھا، افریقہ کے شہر المنصوریہ کے نام پر اسکو بھی موسوم کیا گیا بعد میں اسکا نام القاہرہ سے تبدیل کیا گیا۔اس شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل تھی جس میں المنصوریہ کے طرز پر باب الفتوح اور باب الزویلہ دو بلند اور پرشکوہ دروازے تھے، یہ عظیم الشان دروازے رہا کے معماروں نے بازنطینی وضع پر بنائے تھے،ابتدا میں اس کے اندر ایک محل ایک مسجد اور ایک قلعہ تھا اور یہ عمارتیں اینٹ سے تعمیر کی گئی تھیں۔قاہرہ اور منصوریہ دونوں شہروں میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے دو محل تھے ایک بادشاہ اور دوسرا اسکے ولی عہد کے لیے۔ دونوں محلوں کے درمیان کی جگہ بین القصرین کہلاتی تھی۔خلیفہ المعز کے قصر الکبیر میں چار ہزار کمرے تھے۔ جس کے ایک ہال میں سونے کی جالی کی پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوا تھا،جسکی وسعت تمام دیوار کے برابر تھی۔جہاں بادشاہ جلوس کرتا تھا۔اس میں بادشاہ کی رہائش کے علاوہ سرکاری عمارتیں شامل تھیں۔جس میں فوج اور مالیات کے شعبہ کے لیے خاص طور پر پرشکوہ عمارتیں تھیں۔محل کی فصیل میں نو وسیع باب الداخلہ تھے۔

قصر زمرد ایک اور محل تھا جس میں تمام ستون سنگ مرمر کے تراشے ہوئے تھے،اور سونے چاندی سے عربی طرز پر دلکش نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ یہ محل خلیفہ کے دیوان خاص کا کام دیتا تھا۔قصر زمرد میں کرسیاں اور دیگر آرائشی اشیا آبنوس، ہاتھی دانت اور صندل کی تھیں،محل میں فولاد کے آئینے تھے جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھے،اور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لعل جڑے ہوئے تھے۔

فاطمی محلات کی تعمیر میں چھت کو سہارا دینے کے لیے سونے کے شہتیر استعمال کیے جاتے تھے۔خلفا کے لیے خاص سونے کے تخت بنائے جاتے تھے۔محلوں کی آرائش میں استعمال ہونے والے پردے سونے اور چاندی کے ہوتے تھے،جن پر ریشم سے خوبصورت نقش ونگار کے ساتھ جانوروں، پرندوں، سیرگاہوں اور انسانوں کی تصاویر کڑھی ہوئی ہوتی تھیں۔محلوں میں سنگ مرمر کے تراشے ہوئے حوض اور فوارے ہوتے تھے، جو محل کو ٹھنڈا رکھنے میں مدد دیتے تھے۔فاطمی محلات کے آثار اب مفقود ہیں۔

6.4.3 مساجد

☆ جامع ازہر

مصر میں فاطمین عہد کی عمارتوں میں سب سے قدیم عمارت جامع ازہر کی ہے۔ یہ 359ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔اس میں بہت کچھ رد وبدل ہوچکا ہے۔اس مسجد کو ایک خشتی دیوار کے ذریعہ محصور کیا گیا تھا۔ یہ مسجد کوئی دوسوا ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔اس کا طول وعرض 250x200فٹ تھا۔اس کے بیچ کا قدیم حصہ آج بھی موجود ہے۔اس میں ایرانی فن تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔قیروان کی مسجد کی طرح اس میں بھی محراب تک ایک وسطی دالان بنا ہوا ہے۔وسطی دالان کے ہر دو جانب دوہرے ستون کے چھتے کا حاشیہ ہے۔اس عمارت کا باب الداخلہ جامع المہدیہ کی طرح ہی وسیع ہے،عمارت کے درمیان میں صحن ہے جو تینوں طرف سے گنبددار راہ داریوں سے گھرا ہوا ہے۔اس عمارت

کے محراب بھی ابتدائی اسلامی فن تعمیر کے طرز پر گول ستونوں پر تعمیر کیے گئے ہیں، جن پر دیدہ زیب نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ درمیانی ہال حرم کی چھت پر تین گنبد ہیں، دو قبلہ کی دیوار کے ساتھ ہیں اور ایک ہال کے درمیان میں واقع ہے۔حرم کی چھتیں قدیم ستونوں اور سرستونوں پر مشتمل ہیں۔ان پر اسی شکل کی نوکیلی کمانیں اٹھائی گئی ہیں۔مصر میں اس طرز پر سب سے پہلے کمان اسی عمارت میں بنائی گئی۔اس مسجد کی ڈیوڑھی میں ہر سمت سے داخل ہو سکتے ہیں۔باب الداخلہ کے اوپر کی جانب ایک مینار پکی اینٹوں سے بنا ہوا ہے، جس میں مناسب فاصلوں پر دریچے بنائے گئے ہیں، ہال میں محرابوں اور ستونوں کی پانچ قطاریں ہیں۔مسجد کے چہار جانب ایوان ہیں۔مغربی دیوار کے ایوان کے ساتھ صدر دروازہ تھا۔اسکے آگے پائے نصب کر کے اوٹ دیوار بنائی گئی تھی۔جامع ازہر کی خشتی دیواروں

فاطمی دور حکومت کے فن تعمیر کا شاہکار ''جامع ازہر''

اور کمانوں پر استر کاری کی موٹی تہ چڑھی ہوئی تھی اس میں کتبے اور آرائشی چیزیں کندہ کی گئی تھیں۔یہ فن تعمیر خشتی فن تعمیر کہلاتا تھا۔اس عمارت میں آمر باللہ نے تزیئن اور آرائش میں اضافہ کیا۔خلیفہ الحافظ نے اس میں مزید ایک گنبد دار راہ داری کا اضافہ کیا اور جدید طرز کے تراشیدہ محرابوں پر ایک گنبد تعمیر کروایا جس میں خوبصورتی سے نقش ونگار بنائے گئے۔

☆ جامع الحاکم

جامعہ ازہر کے بعد جو قدیم عمارت ہے وہ جامع حاکم ہے۔اس میں اور جامع ازہر کے نقشہ میں زیادہ فرق نہیں ہے۔مسجد الجامع الانور جو مسجد الحاکم کے نام سے معروف ہے، مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں واقع ایک مسجد ہے جو فاطمی دور حکومت کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کا آغاز 990 میں فاطمی خلیفہ ابو منصور نظار العزیز کے دور حکومت میں ہوا، اور ان کے بیٹے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے دور حکومت میں 403ھ/1013 میں اس کا کام تکمیل کو پہنچا۔اس مسجد میں ایک گنبد اور دو بلند مینار تھے۔اس مسجد میں بہت سی چیزیں دلچسپ ہیں، یہ مسجد اس زمانے میں شہر پناہ سے باہر تھی۔بعد میں شہر کے پھیلاؤ نے اسے شہر کے اندر سمولیا۔اس کا طول وعرض 295x380 فٹ ہے۔اس مسجد کا حرم بہت عمیق بنایا گیا ہے۔

مسجد کی چھت محرابوں پر اٹھائی گئی ہے، اور جامع ازہر اور مسجد ابن طولون کی طرح یہ محرابیں قبلہ کے متوازی چلی گئی ہیں۔شمالی اور جنوبی

سمتوں پر بنے ہوئے تین ایوان کے محراب خشتی پایوں پر بنائے گئے ہیں، محرابیں گھوڑے کی نعل کی شکل میں کسی قدر نوکیلی بنائی گئی ہیں۔ یہاں چوبی شہتیر استعمال کیے گئے ہیں۔ محراب کے آگے کی جگہ پر ایک گنبد ہے، دوسرا گنبد حرم کے شمالی مشرقی گوشے پر تھا (جواب مفقود ہے)، درمیانی گنبد تین کمانوں پر قبلہ کی دیوار پر اٹھایا گیا ہے۔ گوشوں پر بنی ہوئی چار کمانوں کے ذریعہ گنبد کی تعمیر ہشت پہلو بن جاتی ہے۔ مغربی دیوار میں پتھر کا ایک شاندار دروازہ تھا اس پر بیل بوٹوں کا نہایت شاندار اور باریک کام کندہ تھا۔ مغربی گوشوں پر احاطہ کی دیواروں میں دو ابھار سے بنے ہیں، ایوانوں کے دروازوں سے ابھاروں میں جانے کیلیے راستہ ہے، ان ابھاروں میں نہایت عمدہ گڑھے ہوئے پتھروں سے مینار بنائے گے ہیں، ان میناروں کی تعمیر کے لیے میسوپوٹامیا کے علاقے سے سنگ راج درآمد کیا گیا تھا۔ شمالی مینار اپنی بنیاد کے پاس سے مربع ہے، اسکے بعد استوانہ نما ہوگیا ہے۔ جنوبی مینار کی ابتدا بھی مربع نقشے سے ہوکر نصف کے قریب مثمن ہوجاتی ہے، مینار کے اندر گھومتے ہوے زینے ہیں ان زینوں کو مثلثی دریچوں کے ذریعہ روشن کیا گیا ہے۔ کوفی کتبوں کی پٹیوں سے میناروں کی تزئین کی گئی ہے۔ بعض دریچوں کے موکوں میں پتھر کی جالیاں ہیں، ان جالیوں میں ایک دوسرے سے گتھے ہوے شمس پہل ستاروں کی وضع کے ہندسی نمونے تراشے گئے ہیں۔ مسجد کی سامنے کی دیوار کا بیرونی رخ ترشے ہوئے پتھر کا ہے۔ اور کوفی کتبوں سے تزئین کی گئی ہے، دیواروں کے اندرونی رخ پر خشتی پایوں کی مناسبت سے استرکاری میں بیل بوٹوں اور کوفی کتبوں سے مزین کیا گیا تھا۔ الحاکم کی مسجد اپنے چوگوشہ نقشے کی آخری مسجد تھی۔ یہ مسجد قاہرہ میں آنے والے ایک زلزلے سے شدید متاثر ہوئی تھی اور 1989 میں سیدنا محمد برہان الدین اور ان کے پیروکاروں نے اس کی تعمیر نو کی اور مصر کے اس وقت کے صدر محمد انور السادات نے اس کا افتتاح کیا۔

☆ جامع الجیوشی

مسجد الجیوشی جسکو مشہد البدر الجمالی بھی کہا جاتا ہے اسکا انداز تعمیر کافی منفرد ہے۔ یہ مسجد قاہرہ سے آگے جبل القدم پر واقع ہے، دروازے پر ایک کتبہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۸۵ء میں تعمیر ہوئی۔ یہ عمارت مستطیل ہے، اس عمارت کے درمیان میں ایک ہال ہے جس کے اوپر محرابوں کے مقابل پندرہ فیٹ پر محیط کمان دار طاقوں اور گوشوں پر ایک ہشت پہلو گنبد ہے، جو دیوار محراب اور تین کمانوں پر بنایا گیا ہے۔ یہ کمانیں دیوار میں بنے ہوے نیم ستونوں اور گچ کے دو پایوں پر اٹھائی گئی ہیں، ان نیم ستونوں کو سہارا دینے کے لیے شمالاً اور جنوباً دوسری کمانوں سے سہارا دیا گیا ہے، اس میں آٹھ دریچے بنائے گئے ہیں اسکے صحن میں مربع کی شکل کا طویل مینار ہے اس مینار کی اوپر کی دو منزلیں مثمنی ہیں، مینار کے مربع کے سرے پر اینٹ کی چنائی کے توڑے دار دو دور قلمی آرائش کے بنائے گئے تھے، جسکا مقصد چبوترے کو چوڑا کرنا تھا۔ باب الداخلہ مغربی سرے پر بنایا گیا ہے۔ شمال میں ایک اور عمارت اصل عمارت سے لگی ہوئی ہے۔ اس عمارت میں قبر موجود ہے، اس زمانے میں صحن میں داخل ہونے کیلیے تین کمان دار راستے تھے، یہ نوکیلی کمانیں جوڑی دار ستونوں پر اٹھائی گئی تھیں، درمیانی کمان دوسری کمانوں سے زیادہ چوڑی تھی۔ ستون سنگ مرمر کے تھے، اور ان پر گھنٹے نما سرستون تھے، مسجد کے ساتھ مقبرے کا لزوم ہو چلا تھا جو بانی مسجد کا ہوتا تھا۔ باب الداخلہ کے بائیں جانب ایک مربع کمرہ ہے جس پر ایک متقاطع لداو چھت ڈالی گئی ہے، اور اندر ایک کنواں بنایا گیا ہے۔ یہ عمارت گنڈ چنائی کی ہے اور اس پر استرکاری کی گئی ہے، گنبد کا عبور اور مینار اینٹ کے ہیں۔ جامع الجیوشی کا محراب استرکاری کے کام کی عمدہ مثال ہے۔ استرکاری میں قرآنی کتبے اور شاخہ کمان میں نباتی بیل بوتوں کے نمونے بنا کر اس کی تزیئن کی گئی ہے۔ جامع الجیوشی میں نقشے کی تبدیلی، مقبرے کی موجودگی متقاطع لداو چھت، قلمی شکل کا ظہور یہ تمام چیزیں فاطمی فن تعمیر میں پہلی مرتبہ متعارف ہوئیں۔

☆ جامع الاقمر

جامع الاقمرال آمر باحکام اللہ کے عہد میں 519ھ/ 1125 میں تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد وزیر مامون البطائحی نے تعمیر کروائی۔ جامع الاقمر فاطمی فن تعمیر کا زندہ شاہکار مانی جاتی ہے۔ یہ عمارت فاطمی دور کی ابتدائی شکلوں سے بالکل جدا طرز پر تعمیر کی گئی۔ عمارت کی تعمیر میں اینٹ کے بجائے پتھر استعمال کیا گیا۔ یہ مسجد دو سڑکوں کے گوشوں پر بنائی گئی ہے، اور اس کا رقبہ 60x120 فیٹ ہے۔ اسکے دائیں اور بائیں کمرے بنے ہوئے ہیں، اور ایک زینہ مینار تک جاتا ہے، یہ مینار بھی جامع الجیوشی کی طرح باب الداخلہ کے اوپر تعمیر کیا گیا ہے۔ ڈیوڑھی سے آگے ایک کھلا صحن تین طرف سے ایوانوں سے گھرا ہوا ہے۔ حرم کو دو چھتوں کے ذریعہ تین بغلی دالانوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ دالان دیوار قبلہ کے متوازی بنائے گئے ہیں۔ ہر چھت پانچ کمانوں پر مشتمل ہے، ہر کمان کو ٹھن سرستون والے چارستونوں پر اٹھائی گئی ہیں۔

اس مسجد کا سب سے دلچسپ ترین حصہ اس کا پیش رخ ہے، اور یہ دیواروں کے بیرونی رخ پر تعمیری حسن کاری کے مظاہرے کی اولین کوشش ہے۔ باب الداخلہ ایک طاق کے اندر بنایا گیا ہے، اور اسکے اوپر ایک نوکیلی کمان بنی ہوئی ہے۔ اس کمان کو ایک نقشے سے مزین کیا گیا ہے، دروازے کے اوپر کی سرول دندانے دار پتھر سے بنائی گئی ہے، داخلے کے دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے طاق ہیں۔ ان طاقوں کے سروں پر قلمی آرائش کا کام ہے۔ بیرونی دیوار کی محرابوں میں سنگ مرمر کا ایک مدور تراشیدہ نقش ہے، جس میں حضرت محمدا اور حضرت علیؓ کے نام تراشا گیا ہے۔ یہ گول نقش مسجد کی اندرونی اور بیرونی تمام محرابوں میں کندہ ہے۔ تمام مسجد کی تزئین و آرائش پتھر کی تراش خراش کرتے ہوئے کی گئی ہے۔ اس مسجد میں ایک خوبصورت باغ ہے اس کے درمیان ایک وسیع حوض ہے۔ یہ عمارت حال ہی میں داؤدی بوہروں کے ذریعہ دوبارہ تعمیر کی گئی ہے۔ یہ فاطمی عہد کی تعمیرات میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔

☆ جامع صالح طلاء ابن ازرق

یہ فاطمیوں کا آخری تعمیری کارنامہ ہے قاہرہ کے جنوبی دروازے کے باہر یہ مسجد ایک مستطیل قطعہ زمین پر بنائی گئی ہے، اور اسکی مساحت تقریبا 135x85 فٹ ہے، احاطے کی دیوار میں تین باب الداخلے بنائے گئے ہیں۔ جامع الاقمر کی طرح اس میں بھی درمیانی باب الداخلہ پر مینار بنایا گیا ہے دائیں بائیں طلبہ کے لیے کمرے ہیں، درمیانی حرم کا کا چھت تین چھتوں پر اٹھایا گیا ہے۔ جو دیوار قبلہ کے متوازی جاتے ہیں ستون اور سرستون قبل از اسلام کی ہیں۔ کمانیں عام فاطمی طرز کی ہیں، جو پکی اینٹوں اور گچ سے تعمیر کی گئی ہیں۔ بیرونی دیوار پتھر کی ہے۔ کوفی کتبے جو استرکاری میں بنائے گئے ہیں، حرم کی کمانوں کے گرد چلے گئے ہیں، ایک چوبی مقصورہ صحن سے حرم کو جدا کرتا ہے، حرم میں دوہرے دریچے ہیں جیسے کہ قبۃ الصخرۃ میں ہیں۔ اندرونی دریچے میں استرکاری کے علاوہ منبت کاری بھی کی گئی ہے۔ عمارت کے اندرون کی زیبائش کے لیے رنگین شیشے لگائے گئے ہیں۔ بیرونی دریچے استرکاری کی جالیوں کے ہیں۔ یہ جالیاں بیرون عمارت آرائش کے لیے بنائی گئی ہیں۔ محراب میں شیشے کی پچی کاری کی گئی ہے، اور اسکے دونوں بازووں پر ہشت پہلو ستون ہیں، ان ستونوں کے سرستون اور کرسیاں (squinches) گھنٹے کی وضع کی ہیں۔ اس کا منبر باریک ہندسی طلاکاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ یہ منبر حیرت انگیز طور سے مختلف النوع گل کاری کے نباتی نمونوں سے گندھا ہوا ہے۔ استرکاری کی تزئین اور اور منبر دونوں پر سے رنگ آج مفقود ہو چکا ہے۔ عمارت کا بیرونی رخ گڑھے ہوئے پتھر کا ہے۔ اور اسکے بالائی حصے کی تزئین کوفی کتبوں کی پٹیوں کی مدد سے کی گئی ہے۔

6.4.4 وزیر بدر الجمالی کی خدمات

فاطمیین کے وزیر بدر الجمالی کی بھی فن تعمیر میں کافی اہم خدمات ہیں۔ان کی زیادہ تر تعمیرات فوجی نقطہ نظر سے کی گئی ہیں ۔مصر میں کئی عمارتوں کی تعمیر کے علاوہ انہوں نے عمارتوں کی تجدید وتزئین کے سلسلے میں اہم کارنامے انجام دیے ہیں۔ بدر الجمالی نے قاہرہ کی شہر پناہ از سرنو تعمیر کی اور شہر کی توسیع کی بنا پر جامع الحاکم کو شمالی شہر پناہ کے اندر لے لیا۔قاہرہ کی شمالی فصیل میں باب النصراور باب الفتوح کے نام سے ۱۰۸۷ء میں دو پرشکوہ دروازوں کا اضافہ کیا، یہ دو وسیع وعریض دروازے ایک حسین اور پرشکوہ محراب کے نیچے قائم ہیں۔فصیل کو اینٹ کے بجائے کان کے پتھروں سے تعمیر کیا۔اس تعمیر میں کچھ پتھر اہرام مصراور مصر کی دیگر تاریخی عمارتوں کے بھی استعمال کیے گئے۔جنوبی فصیل کو بھی نئے سرے سے تعمیر کر کے اس میں باب الزویلہ کے نام سے ایک شاندار دروازے کا اضافہ کیا گیا۔اس کی تعمیر میں نہایت عمدہ ترشے ہوئے پتھروں میں بنی ہوئی نیم قوسی کمانوں کے ذریعہ موکھوں میں فصل دیا گیا ہے، یہ فصیل اور دروازے بحر روم کی تہذیب سے مشابہ ہیں۔اور اسکی فصیل پر دندانے دار پتھر سے کنگورے بنائے گے ہیں، باب النصر کی ایک دلچسپ چیز دیواری روزن ہیں، یہ روزن مدافعتی تدبیر کی اولین مثال ہے۔

6.4.5 مقبرے

مشہد کے نام سے مقبروں کی تعمیر فاطمی خلفا کا خاص انداز رہا ہے۔ان میں آل رسول کی نشانیاں محفوظ کی جاتی تھیں۔اسی طرح فاطمی خلفا کے مقبروں کو بھی مشہد ہی کہا جاتا تھا۔اکثر مشہد کی عمارتیں مربع شکل کی تعمیر کی جاتیں تھیں۔درمیان میں گول گنبد ہوتا تھا۔لیکن کچھ مشاہد میں مختلف اور پیچیدہ طرز تعمیر بھی نظر آتا ہے، جس میں متصل کمرے بھی ہوا کرتے ہیں، خلیفہ الحافظ کے دور میں خاص طور پر شیعی تاریخ کی معروف خواتین کے مقبرے مشہد کے نام سے تعمیر ہوئے۔حافظ کے دور میں اس کے ساتھ متصل مسجدیں بھی تعمیر کی گئیں۔اسکے علاوہ خلفا نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے لیے بھی مقبرے تعمیر کیے ہیں۔

ایک مقبرہ مشہد سیدہ رقیہ کہلاتا ہے، یہ 1123ء میں قاہرہ میں تعمیر کیا گیا۔یہ ایک گنبد دار عمارت ہے۔یہ مشہد حضرت علی کی بیٹی سیدہ رقیہ کی یادگار ہے۔اس مشہد کی تعمیر دوسرے مشاہد سے مختلف ہے۔اس کے اوپر کا درجہ ایک کمان دار محراب پر مشتمل ہے۔محراب کا نقشہ مستطیلی ہے اور یہ مربع گوشوں پر واقع ہے،اس کے علاوہ مربع کی شکل میں تعمیر شدہ عمارت کے اوپر انتہائی شاندار ہشت پہلو گنبد ہے، جسکے اندر جاندار رنگوں سے شیشے اور گچ سے انتہائی پرکشش پھول پتیوں کے نقش ونگار بنائے گئے ہیں۔

العزیز باللہ پانچویں فاطمی خلیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے فن تعمیر سے عشق تھا۔العزیز کے عہد میں تیرہ سے زیادہ عمارتیں ملتی ہیں، جس میں قصر الذہب، قاہرہ کی جامع مسجد، ایک قلعہ، پل،اور حمامات شامل ہیں۔العزیز کی والدہ درزن بھی فن تعمیر میں کافی دلچسپی رکھتی تھیں قرافہ کے علاقے میں انکے حکم پر بنائی گئی عمارتیں موجود ہیں، جس میں مسجد جامع القرافہ جامع الازہر کے طرز پر تعمیر کی گئی تھی،اس مسجد میں چودہ دروازے تھے۔ یہ مسجد آگ لگنے کی وجہ سے ضائع ہوگئی تھی، اس کی صرف ایک ہی محراب باقی رہ گئی، قرافہ محل، تالاب حوض، حمامات، شاہی باغ، مسجد ابن طولون میں باولی، دریائے نیل کے قریب سیر گاہ منزل العزیز، کے علاوہ اپنے لیے مقبرہ کی تعمیر بھی شامل ہے۔

قاہرہ کے عجائب گھر میں فاطمی عہد کے چند دروازوں کے تختے ہیں۔ان پر مختلف جانوروں کی تصویریں کندہ ہیں۔کہیں خرگوشوں کو گدھ پکڑ رہا ہے۔کہیں ہرنوں پر وحشی جانور حملہ کر رہے ہیں۔کہیں جانوروں کے جوڑے کھڑے ہیں۔یہ تصویریں ساسانی نمونوں کی ہیں۔یہی مشابہت عہد فاطمی کے پیتل اور کانسی کی مصنوعات میں پائی جاتی ہیں۔ان میں زیادہ تر آئینے ،لوٹے ،صراحیاں اور خود شامل ہیں۔

6.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- فاطمی خلفا کا عہد علمی کارناموں اور فنون لطیفہ میں ممتاز رہا ہے۔
- فاطمی دور میں مشہور سائنس دان ابن الہیثم اور علی بن یونس نے علم طبیعیات میں بے مثال کارنامے انجام دیے ہیں، اسکے علاوہ طب کے میدان میں اس دور میں کئی تصنیفات لکھی گئیں، خاص طور پر آنکھوں کے علاج پر اس دور کی تصنیفات بنیادی کتابیں شمار ہوتی ہیں۔
- فنون لطیفہ کے میدان میں ان کا نقش بہت گہرا ہے، خاص طور پر فن تعمیر میں ان کے انمٹ نقوش ملتے ہیں۔
- اس دور کے تقریباً ہر خلیفہ نے شہر آباد کیے ہیں۔ جس میں شہر المھدیہ، المنصوریہ (دائرہ نما شہر) اور القاہرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان شہروں میں عظیم الشان محلات کے علاوہ مساجد، مقبرے، سرکاری عمارتیں فوجی چھاونیاں نہایت اہتمام سے بنائے جاتے تھے، جامع الازہر قاہرہ شہر میں جوہر الصقلی نے تعمیر کی تھی۔

6.6 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ فاطمی عہد کی علمی خدمات کا مختصراً جائزہ لیجیے۔

2۔ فاطمی فن تعمیر کے مصری دور میں کیا پیش رفت ہوئی اور جامع ازہر میں اس کے کیا نقوش پائے جاتے ہیں؟

3۔ جامع الاقمر اور جامع صالح طلاء ابن ازرق کی اہم خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

4۔ فاطمی عہد کے فن تعمیر کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ علم کے فروغ میں دار الحکمت کے رول پر گفتگو کرتے ہوئے مشہور سائنسدان ابن الہیثم اور علی بن یونس کی خدمات قلمبند کیجیے۔

2۔ فاطمی حکمرانوں کی علمی سرپرستی پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے کتب خانوں پر تبصرہ کیجیے۔

3۔ وزیر بدر جمالی کی تعمیری خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے جامع الحاکم اور جامع الحبوشی کے نمایاں تعمیری اوصاف پر گفتگو کیجیے۔

4۔ شہروں کی آبادکاری میں فاطمیوں کا کیا طریقہ تھا؟ اور شہر المہدیہ اور شہر المنصوریہ کی کیا خصوصیات ہیں؟ تحریر کیجیے۔

6.7 فرہنگ

متقاطع	ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی (Intersecting)
مربع	چوکور
مثمن	آٹھ پہلو والی شکل
خوردسالہ	کم سن، کم عمر

6.8 تجویز کردہ کتابیں

تاریخ دولت فاطمیہ	: انیس احمد جعفری
اسلامی فن تعمیر	: ارنسٹ تاڈ ہام ،مترجم سید مبارز الدین رفعت
The Islamic Dynasties of Arab East	: Abdul Ali
ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	: ثروت صولت
تاریخ اسلام (جلد اول)	: ڈاکٹر حمید الدین
تاریخ اسلام (جلد چہارم)	: شاہ معین الدین ندوی
اسلامک انسائکلو پیڈیا۔	

۔:oOo:۔

اکائی 7 : مملوک حکومت کا اجمالی خاکہ

اکائی کی ساخت

7.1 تمہید
7.2 مقصد
7.3 مملوک حکومت کا قیام وعروج
7.4 بحری اور برجی ممالیک
7.4.1 بحری ممالیک (1250-1382ء)
7.4.2 برجی ممالیک (1382-1517ء)
7.5 سماجی، مذہبی اور معاشی حالات
7.6 ممالیک دور میں علوم کی ترقی
7.7 ممالیک دور میں مختلف فنون کی ترقی
7.8 اکتسابی نتائج
7.9 نمونہ امتحانی سوالات
7.10 فرہنگ
7.11 تجویز کردہ کتابیں

7.1 تمہید

اسلامی تاریخ میں ممالیک کا عروج ایک عجیب وغریب واقعہ ہے۔ ممالیک مملوک کی جمع ہے، اور عربی میں لفظ مملوک کی معنی غلام ہے۔ اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے وسط ایشیا کے ترکی النسل سفید فام غلاموں کے لیے کیا گیا تھا۔ بعد میں مغربی ایشیا کے دوسرے علاقوں کے غلاموں کو بھی اس زمرے میں شامل کرلیا گیا۔ ان کے بارے میں یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ سلطان بننے کے بعد بھی انھوں نے خود کو ممالیک کہلانا ہی پسند کیا۔ اس اکائی میں ان ہی ممالیک سلاطین کی حکومت، ان کے دور کے سماجی و معاشی حالات، مختلف علوم وفنون کی ترقی اور فن تعمیر وآرٹ کی صورت حال کے بارے میں بتایا جائے گا۔

7.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس بات سے واقف ہوجائیں گے کہ مملوک کون لوگ تھے، انھوں نے کیسی حکومت قائم کی، اور انھوں نے اپنے دورِ حکومت میں کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

7.3 مملوک حکومت کا قیام وعروج

ایوبی دورِ حکومت (1250-1171ء) میں مملوک افسروں اور سپاہیوں کی تعداد کافی بڑھ گئی تھی جو بے حد جانباز اور فنون جنگ بالخصوص شہسواری اور تیراندازی میں بہت ماہر ہوتے تھے۔ ایوبی حکمرانوں کے زیر قیادت مملوک سپاہی صلیبی جنگوں میں اہم رول ادا کر چکے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ طاقتور ہوتے گئے اور ان کے اندر خوداعتمادی بھی پیدا ہوگئی۔ جیسے ہی انھیں موقعہ ملا' خود کو منظم کر کے انھوں نے اپنے آقاؤں سے اقتدار چھین لیا اور اپنی حکومت کا آغاز کر دیا۔ اس طرح گذشتہ کل کے غلام' آج کے سپہ سالار اور آنے والے کل کے حکمراں بن گئے۔

1249ء میں ایوبی سلطان ملک صالح نجم الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اور جانشین توران شاہ اپنی سوتیلی ماں شجرۃ الدر (جو اصلاً ملک صالح کی کنیز تھی اور بعد میں ملکہ بن گئی) کی مدد سے تخت نشین ہوا۔ لیکن توران شاہ نے احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر یہ بہتان لگایا کہ شجرۃ الدر نے اس کے والد کے خزانے کو چھپا لیا ہے۔ ایسا کہہ کر اس نے شجرۃ الدر کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اس کے علاوہ توران شاہ نے فوج کے اعلیٰ اور مستحق عہدہ داروں کو نظرانداز کر دیا۔ جس کی وجہ سے ممالیک کی ایک بڑی تعداد اس سے ناراض ہوگئی۔ ان ناراض ممالیک نے شجرۃ الدر کی مدد سے شاہ کے خلاف منصوبہ بنایا اور اسے اس کی حکومت کے ساتویں دن قتل کر کے مصر میں ایوبی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ شجرۃ الدر کو مصر کی ملکہ بنایا گیا۔ اپنی حکومت کا قانونی استحقاق ثابت کرنے کے لیے اس نے ایوبی حاکم سلطان کامل کے چھ سالہ پڑپوتے اشرف موسیٰ کو حکومت میں شریک کر لیا۔ اس طرح شجرۃ الدر نے ملکہ بن کر اسّی دن حکومت کی۔ اس دوران اس نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور جمعہ کے خطبے میں اپنا نام شامل کروا دیا۔ ایسا کرنے والی اسلامی دنیا کی وہ پہلی خاتون تھی۔ بعد میں جب مصری ممالیک امیروں نے اس کے سپہ سالار عزالدین ایبک کو سلطان بنا دیا تو ملکہ نے اس کے خلاف بغاوت کرنے کے بجائے اس سے شادی کر لی۔ اس طرح ایبک مصر میں ممالیک خاندان کا بانی اور حکمراں بن گیا۔

ایبک نے سب سے پہلے شام کی ایوبی حکومت کو کچل دیا۔ جو خود کو مصری ایوبیوں کا جائز وارث تصور کرتے تھے۔ عباسیوں کی طرح شام کے ایوبی بھی منگولوں کے ہاتھوں بری طرح تباہ ہو چکے تھے۔ انہی ممالیک کے ہاتھوں منگولوں کو عین جالوت کی فیصلہ کن جنگ میں ذلت آمیز شکست ہوئی جس سے ان کی پیش رفت ہمیشہ کے لیے رک گئی اور شام ممالیک سلطنت کا حصہ بن گیا۔

اس کے بعد ایبک نے شاہ اشرف موسیٰ کو معزول کر کے اپنے مملوک قطز کو نائب سلطان مقرر کر دیا۔ اب اسے صرف ملکہ سے نپٹنا باقی تھا جو نہ صرف حکومت میں اپنے شوہر کے ساتھ شریک تھی بلکہ اپنی بات منوانے پر قدرت بھی رکھتی تھی۔ چونکہ شجرۃ الدر ایک ذہین خاتون تھی اپنے شوہر کے ارادے کو بھانپ گئی اور اس نے ایبک کو مصری قلعہ میں قتل کروا دیا۔ لیکن ملکہ کا بھی وہی انجام ہوا۔ تین دن بعد ایبک کی پہلی بیوی کی کنیزوں نے لکڑی کی جوتیوں سے پیٹ پیٹ کر اسے مار ڈالا اور برج سے نیچے پھینک دیا۔ بعدازاں ممالیک جنرل سلاطین بن گئے جنھوں نے تقریباً پونے تین صدی (1517-1250ء) تک مصروشام پر حکومت کی۔ ان کے زیر قیادت سلطنت کی چاروں طرف توسیع ہوئی۔ انھوں نے مکہ اور مدینہ بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔

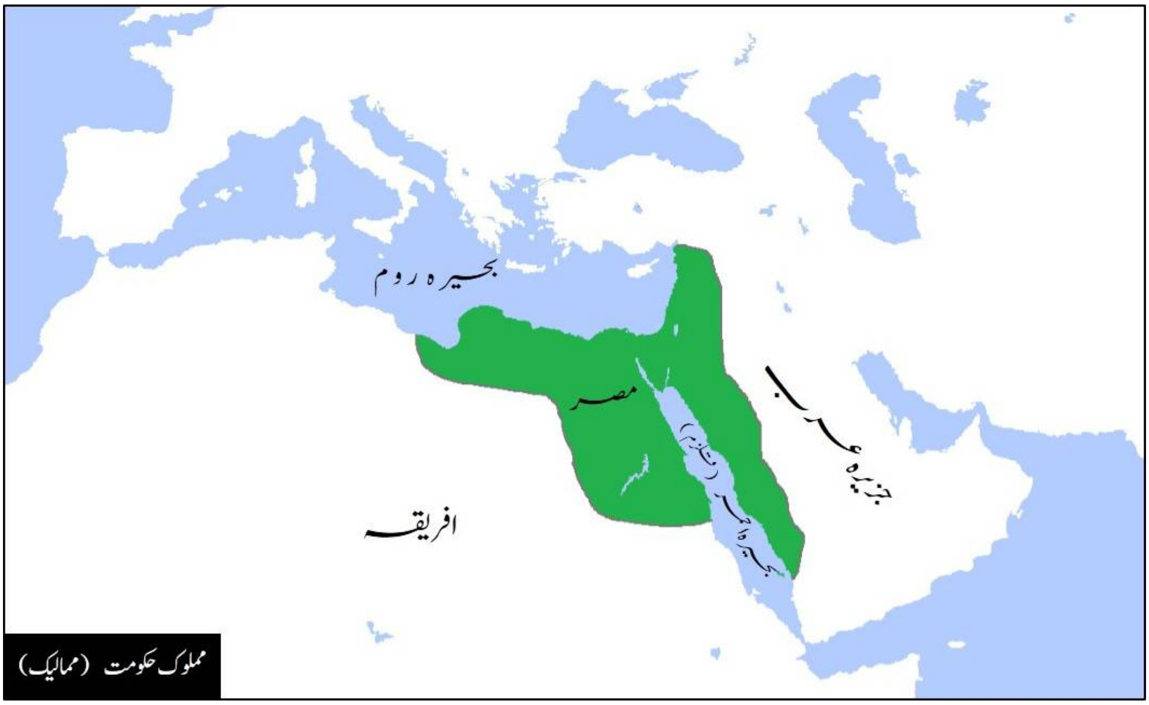

مملوک حکومت (ممالیک)

7.4 بحری اور برجی مملوک

ممالیک سلاطین دو زمروں میں منقسم ہیں۔(1) بحری سلاطین (2) برجی سلاطین۔ بحری سلاطین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کا سلسلہ ان محافظوں کی نسل سے چلا جو دریائے نیل کے جزیرہ روضہ میں واقعہ قلعہ بحر النیل میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ جبکہ برجی سلاطین کا تعلق ان محافظوں کی نسل سے تھا جنھیں بحری سلطان قلاؤن نے مصر کے قلعہ (برج) میں تعینات کیا تھا۔ نسلی طور پر بحری سلاطین عموماً ترک تھے اور ان کے یہاں موروثی وراثت کا اصول قائم تھا۔ اس کے برعکس برجی سلاطین کوہ قاف علاقہ کے کاکیشیاء النسل تھے۔ یہ لوگ موروثی جانشینی کے قائل نہیں تھے۔ ان کے درمیان یہ معمول تھا کہ جس کو فوجی کمانڈروں کی اکثریت کی حمایت حاصل ہوجاتی تھی وہی سلطان بن جاتا تھا۔

7.4.1 بحری مملوک (1250-1382ء)

تاریخی اعتبار سے بحریوں کو برجیوں پر فوقیت تھی۔ انھوں نے 132 سال تک حکومت کی اور اسلام کے چند نامور غازی پیدا کیے۔ ان میں ظاہر بیبرس، قلاؤن، اشرف خلیل اور ناصر محمد بہت مشہور تھے۔

☆ ظاہر بیبرس (1260-1277ء)

یہ مملوک کا سب سے عظیم سلطان تھا۔ سلطان بننے سے قبل دو بار اپنی بہادری کا ثبوت دے چکا تھا۔ پہلی بار مصر میں منصورہ کی جنگ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے ایوبی سلطان صالح کے زیر کمان صلیبیوں کے خلاف اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اور دوسری مرتبہ شام میں عین جالوت کی تاریخی جنگ میں قطز کے سپہ سالار کی حیثیت سے کمان سنبھالی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور مصر منگولوں کے حملوں سے محفوظ ہوگیا۔

بیبرس کا دوسرا اہم کارنامہ یہ تھا کہ 1260ء میں جب وہ تخت نشین ہوا تو سنی مسلم دنیا کی خواہش کے مدنظر قاہرہ میں عباسی خلافت کی

تجدید کی۔ عباسی شاہی خاندان کا ایک فرد احمد بن ظاہر بغداد کے قتل عام میں بچ گیا تھا۔ اسے بیبرس شاہی آداب کے ساتھ قاہرہ لایا اور 1261 ء میں خلیفہ کی حیثیت سے تخت نشین کیا' اور احمد بن ظاہر نے رسمی طور پر بیبرس کو ان تمام علاقوں کا ملکی انتظام تفویض کر دیا جسے اس نے جنوبی عرب میں یمن تا مصر کی مغربی سرحد تک فتح کر لیا تھا۔ لیکن بعد میں جب احمد بن ظاہر ایک فوجی مہم میں منگولوں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے تو بیبرس نے عباسی خاندان کے ایک دوسرے فرد الحاکم کو خلیفہ بنا دیا اور اس نسب کے خلفا کا یکے بعد دیگرے تقریباً 250 سالوں تک خلافت کا سلسلہ چلتا رہا۔ ان خلفا کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ ان کے نام کے سکے جاری ہوئے اور جمعہ کے خطبہ میں بھی ان کا نام شامل تھا۔ نئے سلطان کی تخت نشینی کی حلف برداری انھیں کی اجازت سے پوری ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ انھیں کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

بیبرس کا دوسرا ناقابل فراموش کارنامہ یہ تھا کہ اس نے 1263 ء سے لے کر 1271 ء تک ہر سال فوجی مہم کے ذریعہ شام کے تقریباً تمام مسلم مراکز کو صلیبیوں کے قبضے سے واپس لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اسماعیلی باغیوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے کچل کر رکھ دیا جو ایک طویل عرصہ سے مسلم حکمرانوں کے لیے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بیبرس ایک عظیم سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب منتظم کار اور مدبر سیاست داں بھی تھا۔ اس نے عوام کی سماجی اور معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔

☆ قلاؤن (1279-1290ء)

قلاؤن ظاہر بیبرس کا لائق جانشین ثابت ہوا۔ اس نے صلیبیوں کے ساتھ مستعدی اور ثابت قدمی سے جنگی مہم کو جاری رکھا اور بچے ہوئے صلیبیوں کو نکال باہر کرنے کا کام مکمل کیا۔ اس نے 1285ء میں طرطوس کے مضبوط قلعہ پر 38 دن کے محاصرے کے بعد قبضہ کر لیا۔ طرابلس نے بھی قلاؤن کی تلوار کے سامنے سر جھکا دیا۔ سلطان قلاؤن کے انتقال کے بعد اس کے فرزند اور جانشین خلیل اشرف نے 1291ء میں عکّہ کو فتح کرنے کا کام پورا کیا جو صلیبیوں کی آخری پشت پناہ تھی اور اسی کے ساتھ فلسطین کی تاریخ میں ایک اہم ڈرامائی سین کا اختتام ہوا۔

خلیل اشرف کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ناصر محمد اس خاندان کا آخری معروف سلطان بنا۔ اس کے بعد آنے والے 12 سلطانوں کی حالت کٹھ پتلی کی حیثیت سے زیادہ نہیں تھی۔ سلطنت کی طاقت اب برجی مملوکوں کے ہاتھوں میں جانے لگی یہاں تک کہ اس خاندان کے آخری سلطان صالح شعبان کو برقوق نے 1382ء میں معزول کر دیا جو برجی مملوکوں کا سردار تھا۔

مملوک فوج میں نیزہ بازی کی مشق

7.4.2 برجی ممالیک (1382-1517ء)

اگر چہ برجی ممالیک سلطانوں نے بحری سلطانوں کے مقابلے میں زیادہ طویل مدت تک حکومت کی' لیکن اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسا اہم رول نہیں ادا کر سکے جیسا کہ ان سے قبل بحری مملوکوں نے کیا تھا۔ ان میں سے صرف دو خوش قدم اور بوغا یونانی نسل کے تھے باقی سب چرکس نسل کے غلام تھے۔کل ملا کر 23 برجی سلطانوں کی حکومت 135 سال تک قائم تھی۔ ان میں سے صرف 9 سلاطین ہی برسر اقتدار رہے جنھوں نے 124 برس حکومت کی۔ باقی 14 صرف نام کے سلطان تھے اور کسی اہمیت کے مالک نہیں تھے۔ اس سلسلے کے آخری سلطان طومان بے کو عثمانی ترکوں نے جنگ میں بری طرح شکست دی اور طومان بے کو سولی پر چڑھا دیا اور مصر پر قابض ہو گئے۔ جزیرہ قبرص کی فتح اس خاندان کی واحد کامیابی تھی۔

7.5 سماجی ، مذہبی اور معاشی حالات

مملوک سماج میں عوام کے مختلف نمایاں درجات تھے جن کی ساخت طبقاتی حق وراثت کے اصول پر قائم تھی۔ فوج میں صرف غلاموں ہی کو اعلیٰ عہدوں پر ترقی دی جاتی تھی۔ جب کہ آزاد عوام کو صرف ادنیٰ مقام ہی ملتا تھا۔

حکمراں طبقے کا گزارہ فوجی جاگیروں کے ذریعہ ہونے والی آمدنی سے ہوتا تھا۔ اپنی فوجی جاگیروں کی عمل داری میں ان کی حیثیت چھوٹے سلاطین جیسی تھی۔ وہ اپنے خدمت گاروں اور محافظ دستوں کے درمیان عالی شان محلوں میں رہتے تھے۔ ان کے اپنے مملوک ہوتے تھے جو حفاظت کے علاوہ جاگیروں کے انتظامات بھی دیکھتے تھے۔

دوسرا طبقہ تاجروں اور فن کاروں کا تھا۔ چوں کہ یہ لوگ زیادہ تر شہروں میں سکونت پذیر تھے۔ اس لیے زراعت پیشہ لوگوں کے مقابلہ میں جاگیرداروں کے استحصال سے محفوظ تھے۔ اس لحاظ سے یہ لوگ نہ صرف خوش حال تھے بلکہ سماج میں ان کی حیثیت کاشت کاروں سے بہتر تھی۔

کاشت کار مملوک سماج کے سب سے نچلے پائدان پر تھے۔ حالاں کہ سلاطین اور امرا نے زراعتی پیداوار میں اضافہ کرنے کے اقدامات کیے تھے مگر اس سے سب سے زیادہ فائدہ ان ہی کو پہنچتا تھا اور کاشت کاروں کو بہت تھوڑا حصہ ملتا تھا۔

ممالیک سماج کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ ابتدائی سلاطین کے دورِ حکومت میں عوامی سطح پر ملک کے نظم و ضبط کی حالت اطمینان بخش تھی۔ ممالیک نے عوام کے اختلافات کی اصلاح کے لیے بہت سے اقدامات کیے جن میں شراب پر پابندی عائد کرنا' شراب کی دکانوں کو بند کرنا اور مجرموں کو ملک بدر کرنا وغیرہ شامل تھا۔ علاوہ ازیں ممالیک حکمرانوں نے عوامی فلاح و بہبود کے بہت سے کام کیے۔ مثال کے طور پر غریبوں اور محتاجوں کی مدد کے لیے بہت سی پناہ گاہیں تعمیر کروائیں جو تکیہ کے نام سے مشہور تھیں۔ اسی طرح مسافروں کو پانی مہیا کرانے کے لیے مختلف جگہوں پر پانی کے چشمے قائم کیے۔

ممالیک کا دوسرا اہم کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے مصر اور شام کے درمیان گھوڑوں کے ذریعہ ڈاک کا ایک مکمل نظام قائم کیا۔ ہر پوسٹ اسٹیشن پر آگے سفر کے لیے گھوڑے تیار رہتے تھے۔ اس سروس کو منظم طریقہ پر شروع کرنے کا سہرا سلطان بیبرس کو جاتا ہے۔ اس نے راستے میں اضافی ڈاک چوکیاں قائم کیں۔ اس نظام کی تیزی کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ قاصدوں کو قاہرہ پہنچنے میں دمشق سے چار دن، حلب سے چھ دن اور عین تاب سے دس دن لگتے تھے۔ علاوہ ازیں تیز ہوائی خبر رسانی کے لیے کبوتروں کو تربیت دی جاتی تھی اور انھیں

استعمال بھی کیا جاتا تھا۔

جہاں تک ممالیک کی مذہبی پالیسی کا تعلق ہے تو انھوں نے ایوبیوں کی تقلید کرتے ہوئے سنی اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں دل چسپی لی۔ مذہبی تعلیم کے فروغ کے لیے بے شمار عالی شان مساجد تعمیر کروائیں جن کے ساتھ مدارس بھی ملحق ہوتے تھے۔ علما کو حکومت کی سرپرستی اور امداد حاصل تھی۔ یہ لوگ عوام میں بے حد مقبول تھے۔ شریعت اسلامیہ ملک کا قانون تھی۔ حکومت مسلم فقہ کے چاروں مکاتب فکر کو صحیح اور جائز تسلیم کرتی تھی۔

ممالیک سماج میں صوفیہ اور درویشوں کو کافی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حکومت کی طرف سے بہت سی خانقاہیں تعمیر ہوئیں اور ان کے انتظام کے لیے مالی امداد بھی دی گئی۔ عوام کے مذہبی عقیدے اور عمل میں بہت سے غیر اسلامی عناصر جیسے قبر پرستی، بدعات وغیرہ داخل ہو گئے تھے۔ قبر پرستی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا فطری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ایک طرف مزین مزارات پر ہر طرح کے نذرانے آتے، وہیں مسجدیں ویران ہو گئیں۔ بدلے ہوئے حالات ایک ایسے مصلح دین کے لیے سازگار تھے جو لوگوں کو صحیح عقیدۂ اسلامی توحید کی طرف مائل کر سکے۔ یہ مہم امام ابن تیمیہ کے ذریعہ پوری ہوئی۔ انھوں نے اپنی تحریروں اور تعلیمات کے ذریعہ نہ صرف اس دور کے مسلمانوں کو متاثر کیا بلکہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں عرب میں محمد بن عبدالوہاب کے ذریعہ بدعات وشرکیات کے خلاف شروع کی گئی دینی تحریک کے پیش رو بن گئے۔

ممالیک سماج کے معاشی حالات بہتر تھے۔ مصر اور شام دونوں ہی کافی خوش حال تھے۔ مصری بندرگاہوں پر قابض ہونے کے ناطے سلاطین نے بھر پور تجارتی فوائد حاصل کیے۔ کیوں کہ ان ہی بندرگاہوں کے ذریعہ مشرق ومغرب کے درمیان بحری تجارت ہوتی تھی۔ لیکن ان تمام خوش حالیوں کے باوجود کچھ ایسے عوامل بھی تھے جنھوں نے عوام کے اقتصادی حالات کو بری طرح متاثر کیا۔ مثال کے طور پر سلاطین کے شاہانہ اخراجات نیز بے شمار عوامی منصوبوں کی تکمیل کے لیے عوام سے بے جا محصولات وصول کیے جاتے تھے۔ ان اقدامات سے عوام کے اقتصادی حالات خراب ہوتے گئے۔

چودہویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں وقتاً فوقتاً طاعون کی وبا پھیلنے کی وجہ سے عوام کی حالت اور خراب ہو گئی۔ اس وبا سے مصر اور پڑوسی ملکوں میں بڑی تعداد میں عوام لقمۂ اجل بن گئے۔ سلطان برس بائے کے دورِ حکومت میں جب شدید طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تو سلطان نے اسے عوام کے گناہوں کی سزا سے تعبیر کیا اور عورتوں پر گھروں سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی۔

7.6 ممالیک دور میں علوم کی ترقی

ناگزیر جنگی مصروفیات کے باوجود ممالیک سلاطین کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ انھوں نے علمی، ادبی اور فن کارانہ مشاغل کی فیاضانہ سرپرستی اور ہمت افزائی کی جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں بلند پایہ علمی اور ادبی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے علوم وفنون کی ترقی میں عربوں کی روایات کو صرف باقی ہی نہیں رکھا بلکہ ان کو کافی حد تک آگے بھی بڑھایا۔ طب اور دوسرے علوم پر اس دور میں کئی مستند کتابیں لکھی گئیں اور جید علما اور اطبا پیدا ہوئے جن کا نام علمی دنیا میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

ممالیک نے علم طب میں کافی دلچسپی لی۔ قاہرہ میں ان کا بنایا ہوا شاندار منصوری اسپتال اس بات کا پختہ ثبوت ہے۔ اس اسپتال کا انچارج ابن النفیس اپنے وقت کا سب سے بڑا طبیب تھا۔ سب سے پہلے اسی نے شریانوں کے درمیان دورانِ خون کا انکشاف کیا۔ اس کے تین سو سال بعد ولیم ہاروے (W. Harvey) سے اس انکشاف کو منسوب کرنا ابن النفیس کے ساتھ مغرب والوں کی ایک بڑی ناانصافی ہے۔

ابن النفیس علم طب پر کئی کتابوں کا مصنف ہے جو سائنسی نقطۂ نظر سے بے حد قیمتی ہیں۔ اس کو زیادہ شہرت اپنی کتاب ''شرح تشریح القانون'' سے ملی۔ یہ ابن سینا کی کتاب ''القانون'' کی شرح ہے۔ اس میں اس نے بڑے علمی انداز میں پھیپھڑوں اور ان کے دورانِ خون کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ سلطان بیبرس کا شخصی طبیب بھی رہ چکا تھا۔

ابن القُف اس دور کا ایک ماہر جراح تھا۔ اس کی کتاب ''العمدۃ فی صناعۃ الجراحۃ'' (Basics in the Art of Surgery) فن جراحت کی پہلی مستند کتاب ہے۔ اس کی دوسری کتاب حفظان صحت اور بیماریوں کے علاج پر مشتمل ہے۔

الکوہین العطار مصر کا ایک یہودی دوا ساز تھا۔ اس نے 1260ء کے آس پاس ایک عربی رسالہ دوا سازی پر لکھا جس کا نام ''منہاج الدکّان و دستور الأعیان فی أعمال وتراکیب الأدویۃ النافعۃ للأبدان'' (The Management of the [pharmacist's] Shop and the Rule for the Notables on the Preparation and Composition of Medicines Beneficial to Man) رکھا جو مخصوص لوگوں کے لیے سرکاری دواؤں کا ایک مستند دستور العمل تھا۔

علاج امراض چشم، طب کی ایک دوسری شاخ تھی جس نے ممالیک دور میں نمایاں ترقی کی۔ شام اور مصر میں آنکھ کے امراض کے واقعات زیادہ ہونے کی وجہ سے اس شاخ کی ترقی پر خاص توجہ دی گئی۔ اس موضوع پر خلیفہ ابن ابی المحاسن کی کتاب ''الکافی فی الکحل'' اور صلاح الدین یوسف کی کتاب ''نور العیون'' بہت مشہور ہوئیں۔ خلیفہ ابن ابی المحاسن آنکھ کی سرجری میں بہت ماہر تھا۔ اسے اپنے فن پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک مرتبہ بغیر کسی جھجک کے ایک ایسے شخص کی آنکھ کی سرجری موتیابند نکالنے کے لیے کردی جس کی ایک آنکھ بالکل ناکارہ تھی۔

علم طب کے مشہور مؤرخ ابن ابی اصیبعہ کو بھی اسی دور میں عروج حاصل ہوا۔ اس نے اپنی مشہور کتاب کا نام ''عیون الأنباء فی طبقات الأطباء'' رکھا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں مصنف نے طبیبوں کے مختلف طبقوں کے بارے میں معلومات جمع کردی ہیں۔ اس میں تقریباً چار سو عرب اور یونانی طبیبوں کے بارے میں مفید جانکاری ملتی ہے۔

علاوہ ازیں اس دور میں علما نے علم فلکیات، علم حساب اور ٹریگنو میٹری میں بھی بہت دل چسپی لی۔ ساتھ ہی ساتھ کھیتی، سینچائی، ٹکسٹائیل، شیشے اور چاندی وغیرہ سے متعلق علوم وفنون میں بھی کافی ترقی ہوئی جن سے صلیبی لوگ بھی متاثر اور مستفید ہوئے اور بعد میں یورپ میں ان علوم کو پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

7.7 ممالیک دور میں مختلف فنون کی ترقی

ممالیک کے دورِ حکومت میں مصر نے سنگ تراشی اور فن تعمیر میں خوب ترقی کی۔ تعمیری فن کے میدان میں یہ مصر کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ صلیبیوں کو شام سے نکال باہر کرنے کے بعد ممالیک کو شام اور فلسطین کے عیسائی طرز کے فن تعمیر سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ ساتھ ہی ساتھ شمال میں سلجوقی فن تعمیر سے بھی روشناس ہوئے جو آرمینیوں اور بیزنطینوں کے سنگ تراشی کے تعمیری فن پر مبنی تھا۔ اور چوں کہ یورپ اور مشرق کے درمیان ہونے والے ہر قسم کی سمندری تجارت پر ممالیک کا کنٹرول تھا، ان کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوا جسے بڑی دریا دلی کے ساتھ انھوں نے تعمیری کاموں پر صرف کیا۔

ممالیک سلطانوں نے متعدد مسجدیں، مدرسے اور مقبرے بنوائے جو آج تک مسلم فن تعمیر کے عمدہ نمونے کی حیثیت سے قائم ہیں۔ مثال

کے طور پر بحری سلطان قلاؤن اور ناصر کی بنوائی ہوئی عمارتیں بہت مشہور ہیں۔ اسی طرح بُرجی سلطانوں میں برقوق' قائت بے اور غوری کی تعمیرات بھی قابل ذکر ہیں۔

ممالیک دورِحکومت میں فنِ تعمیر کو اس بات سے بھی کافی فروغ ملا کہ بہت سے مسلمان کاریگر اور صنعت کار منگولوں کے حملے سے پہلے موصل' بغداد اور دمشق سے بھاگ کر مصر میں پناہ گزینی کے لیے آ بسے تھے۔ ان کے اثر سے اب میناروں کی تعمیر میں اینٹ کی جگہ پتھر کا استعمال کیا جانے لگا۔خوب صورت اور مزین گنبدوں کی تعمیر کی گئی۔خوب صورتی اور سجاوٹ کے لیے مختلف رنگ کے پتھروں کا استعمال کیا گیا۔

اس دور میں مسلم فن سجاوٹ کے دو خاص طریقوں کو خاطر خواہ ترقی ملی :

1۔ جیومیٹریکل ڈیزائین پر مبنی عربی گل کاری اور 2۔کوفی خطاطی پر مبنی سجاوٹ کا فن۔

اسپین اور ایران کے برعکس مصر اور شام کے فن سجاوٹ میں حیوانی شکلوں کے استعمال سے پرہیز کیا گیا۔ممالیک دور کی تعمیرات اب بھی صحیح سلامت قائم ہیں جو طلبہ اور زائرین دونوں کے لیے کشش کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔

اس دور میں اپلائیڈ آرٹ کی تقریباً سبھی شاخوں کو مذہبی امور سے جوڑ دیا گیا تھا۔ زیادہ تر اس کا استعمال مسجد اور مسجد سے متعلق تعمیری کاموں کو زینت دینے کے لیے کیا گیا۔مسجدوں کے کانسے کے بنے ہوئے دروازے' مخصوص عربی طرز پر بنے ہوئے کانسے کی ناموسیں' جواہرات سے جڑے ہوئے قرآن کریم کی جزدانیں' مسجد کے محرابوں میں خوب صورت موزیک اور خطبہ دینے کے منبروں پر خوب صورت نقوش وغیرہ، یہ سب اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ فنون ان کے یہاں بہت ترقی پر تھے۔

مساجد کے بڑے دروازوں پر دھات کا کام کیا ہوا ہوتا تھا۔مسجد کے لیمپ اور رنگین کھڑکیاں بہترین کانچ کے بنے ہوئے بیل بوٹوں

برجی مملوک سلطان سیف الدین قایتبائی کا قلعہ الاسکندریہ

اورعربی نقوش سے مزین ہوتے تھے اور مسجد کی اندرونی دیواریں بہترین چمکیلے ٹائلس سے آراستہ ہوتی تھیں۔

اسی طرح مخطوطوں کو مختلف رنگوں کے ذریعہ مزین کرنے کا فن بھی ممالیک دورحکومت میں رائج تھا۔ اس فن کا زیادہ تر استعمال قرآن کو آراستہ کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ اس دور میں مزیّن کیے ہوئے بہت سے مخطوطات قاہرہ کی قومی لائبریری میں آج بھی محفوظ ہیں جن سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ فن ان کے یہاں بہت رائج اور ترقی پر تھا۔

7.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- شروع کے ممالیک سلاطین صلیبیوں کو شام سے نکال باہر کرنے اور منگول فوجوں کی پیش قدمی کو روکنے میں مصروف رہے۔ ان دونوں کاموں میں ان کو مکمل کامیابی ملی۔
- ناگزیر جنگی مہمات کی مصروفیات کے باوجود ممالیک سلاطین علمی، فنی اور تعمیری مشاغل کی فیاضانہ سرپرستی اور ہمت افزائی کرتے رہے۔
- ممالیک سلاطین دو زمروں میں منقسم ہیں: (1) بحری سلاطین (2) برجی سلاطین۔
- نسلی طور پر بحری سلاطین عموماً ترک تھے اور ان کے یہاں موروثی وراثت کا اصول قائم تھا۔
- برجی سلاطین کوہ قاف علاقہ کے کاکیشیاء النسل تھے۔ یہ لوگ موروثی جانشینی کے قائل نہیں تھے۔
- عزالدین ایبک (1257-1250ء) ممالیک کا سب سے پہلا سلطان تھا۔
- ظاہر بیبرس (1277-1260ء) ممالیک کا سب سے عظیم سلطان تھا۔ ایک عظیم سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب منتظم کار اور مدبر سیاست داں بھی تھا۔
- کل ملاکر 24 بحری سلطانوں کی حکومت 132 سال تک قائم تھی (1382-1250ء)۔
- کل ملاکر 23 برجی سلطانوں کی حکومت 135 سال تک قائم تھی (1517-1382ء)۔
- ممالیک نے علم طب میں کافی دل چسپی لی۔ قاہرہ میں ان کا بنایا ہوا شاندار منصوری اسپتال اس بات کا ثبوت ہے۔
- ممالیک دور میں علما نے علم فلکیات، علم حساب اور ٹریگنومیٹری میں بھی بہت دل چسپی لی۔
- اسپین اور ایران کے برعکس مصر اور شام کے فن سجاوٹ میں حیوانی شکلوں کے استعمال سے پرہیز کیا گیا۔
- ممالیک دور کی تعمیرات اب بھی صحیح سلامت قائم ہیں جو زائرین کے لیے کشش کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔

7.9 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ ممالیک دور کے چند مشہور طبیبوں کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ اس دور میں معاشی حالات کا جائزہ لیجیے۔

3۔ اس دور میں سماجی حالات کا اجمالی خاکہ پیش کیجیے۔

4۔ عہد ممالیک کے فن تعمیر پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ مملوک حکومت کے قیام وعروج پر ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ ملک ظاہر بیبرس اور ملک منصور قلاون کے کارناموں کا جائزہ لیجیے۔

3۔ آرٹ اور فنِ تعمیر کی ترقی میں ممالیک کی خدمات پر نوٹ لکھیے۔

4۔ ممالیک دورِ حکومت میں دینی اور سماجی حالات پر روشنی ڈالیے۔

7.10 فرہنگ

کوہ قاف	:	(Caucasus Mountains) یا کوہ قفقاز، بحیرہ اسود اور بحیرہ قزوین کے درمیان خطہ قفقاز کا ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو ایشیا اور یورپ کو جدا کرتا ہے۔
چرکس	:	(Circassians) شمال قفقاز کا ایک نسلی گروہ ہے جن کا آبائی وطن چیرکاسیا ہے۔
ممالیک	:	یہ مملوک (slave) کا جمع ہے، اور عربی میں لفظ مملوک کا مطلب غلام ہے۔
برج	:	(tower) قلعہ
ابن النفیس	:	الحسن علاء الدین علی بن ابی الحزم (1288-1210ء)۔
ابن القف	:	ابوالفرج بن یعقوب بن اسحاق بن القف الکرکی (1286-1232ء)۔
الکوہین العطار	:	(Kohen al-‘Attar) (کاہن =kohen)، ابوالمنٰی داود بن اَبی نصر الاسرائیلی الہارونی (متوفی:1325ء)۔
ٹریگنومیٹری	:	(Trigonometry) عربی میں علم المثلثات۔
جیومیٹریکل	:	(geometrical) ہندسی

7.11 تجویز کردہ کتابیں

1۔	کروسیڈ اور جہاد	:	محمد اکبر خان
2۔	صلیبی جنگ	:	سید عبدالرحمن صباح الدین
3۔	موسوعۃ التاریخ الاسلامی) جلد 5) (عربی)	:	ڈاکٹر مفید الزیدی
4۔	Islamic Dynasties	:	C.E. Bosworth
5۔	Islamic Dynasties of the Arab East	:	Abdul Ali

۔:oOo:۔

اکائی 8 : ایران میں صفوی حکومت

اکائی کی ساخت

8.1 تمہید

8.2 مقصد

8.3 آغاز خاندان صفوی اور اہم حکمران

8.3.1 شاہ اسماعیل صفوی

8.3.2 شاہ طہماسپ

8.3.3 اسماعیل دوم

8.3.4 شاہ محمد خدابندہ

8.3.5 شاہ عباس بزرگ

8.3.6 شاہ صفی

8.3.7 شاہ عباس دوم

8.3.8 شاہ سلیمان

8.3.9 شاہ سلطان حسین

8.4 صفوی عہد میں تہذیب وثقافت

8.5 اکتسابی نتائج

8.6 نمونۂ امتحانی سوالات

8.7 تجویز کردہ کتابیں

8.1 تمہید

اس اکائی میں بتایا جائے گا کہ ایران کے اندر صفوی حکومت نے کس طرح حکومت کی ۔ اس دور کے مشہور حکمرانوں کے زمانے میں کیا واقعات پیش آئے ۔ اور اس وقت کی دیگر مسلم حکومتوں کے ساتھ ان کے کیسے تعلقات رہے؟ اسی طرح اس دور کی تہذیب وثقافت اور فنون لطیفہ کے بارے میں واقف کرایا جائے گا۔

8.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس بات سے واقف ہو جائیں گے کہ ایران میں قائم ہونے والی صفوی حکومت کیسی تھی؟ کون کون سے مشہور حکمراں ہوئے اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دئے؟ نیز اس دور کی تہذیب وثقافت کیسی تھی؟

8.3 آغاز خاندان صفوی اور اہم حکمران

اس خاندان کے بانی شاہ اسماعیل صفوی ہیں جن کا شجرہ نسبت شیخ صفی الدین اردبیلی (1334-1252ء) سے ملتا ہے جن کا تعلق مشائخ ایران سے تھا۔ اسی وجہ سے یہ خاندان صفوی کے نام سے مشہور ہوا۔ شیخ صفی الدین شافعی مذہب رکھتے تھے لیکن ان کی اولاد خواجہ علی نے اثنا عشری مذہب اختیار کر لیا جس کے نتیجے میں صفوی خاندان بھی شیعی عقائد کا پیرو رہا۔

8.3.1 شاہ اسماعیل صفوی 1523-1501ء

شاہ اسماعیل کی تخت نشینی تبریز میں ہوئی اور انہوں نے حکومت کا مذہب شیعہ امامیہ رکھا اور اپنے مذہب پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ اس سختی کے نتیجے میں ایران کی ایک بڑی آبادی نے مذہب اثنا عشری اختیار کیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا کہ جس طرح کہ ساسانی دور میں حکومت کا دین زرتشت آئین تھا، اسی طرح صفوی دور میں مذہب اثناء عشری کو حکومت کی طرف سے ترویج کیا گیا۔ شاہ اسماعیل نے ایشیا کے بہت سے ترک قبیلوں کی سرپرستی کی اور ان کو تیولات (جاگیریں - fiefs) سے نوازا۔ اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے بعد شاہ اسماعیل نے ہمدان پر حملہ کیا اور وہاں کے حکمراں مراد بیگ آق قویونلو کو شکست دی۔ مراد بیگ شیراز بھاگ گیا اور اس طرح ہمدان 1503ء میں شاہ اسماعیل کی حکومت کا حصہ بن گیا۔ کاشان کے لوگ جو کہ پہلے سے شیعہ مذہب رکھتے تھے انہوں نے شاہ اسماعیل کا خیر مقدم کیا۔ اس کام کو انجام دینے کے بعد شاہ اسماعیل نے اپنی توجہ استرآباد کی طرف مبذول کی اور اس کو بھی اپنے ملک کا حصہ بنا لیا۔ اسی زمانے میں بایزید دوم سلطان عثمانی نے اپنا سفیر ایران بھیجا تاکہ ان کے تعلقات خوشگوار ہو سکیں۔ شاہ اسماعیل نے بکر و تبلیس کے علاقوں اور بغداد کو 1508ء میں فتح کیا اور عتبات عالیات کی زیارت کے لیے گئے۔ اس کے بعد خوزستان گئے اور وہاں جو لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ غلو کرتے تھے ان کی تنبیہ کی۔

8.3.1.1 ازبکوں سے جنگ

ایران کے نواح میں صرف خراسان ان کے تصرف میں نہیں آیا تھا۔ شیبک خاں اوزبک نے 1507ء میں خراسان کو سلطان حسین بائیقرا سے لے لیا اور ایک تضحیک آمیز خط شاہ اسماعیل کو لکھا جس میں یہ بھی لکھا کہ وہ مذہب شیعہ کو چھوڑ دیں۔ شاہ اسماعیل نے مشہد کو فتح کرنے کے بعد ازبکوں کا پیچھا کیا۔ 1510ء میں قلعہ مرو کو فتح کر لیا اور دس ہزار ازبکوں سے زیادہ کو قتل کیا۔ شیبک خاں ازبک نے بھی اسی موقع پر جان دے دی۔

اسی زمانے میں ظہیر الدین بابر (1530-1526ء) نے مغل حکومت کی ہندوستان میں بنیاد ڈال دی۔ شاہ اسماعیل نے اس نئی حکومت سے دوستی بڑھانے کے لئے بابر کی بہن کو جو ازبک جنگ اور فتح مرو میں گرفتار ہوئی تھی پورے احترام کے ساتھ اس کے بھائی بابر کے پاس ہندوستان بھیج دیا۔ اس کے بعد شاہ اسماعیل نے 1512 میں بابر کی مدد سے ماوراء النہر کے ازبکوں پر حملہ کیا۔ اس لشکرکشی کے نتیجہ میں ان کا سردار امیر یار احمد اصفہانی کہ جس کا لقب نجم ثانی تھا وہ جیحوں پار کر کے بھاگ گیا لیکن اس کو وہاں قتل کر دیا گیا۔ لیکن پھر ازبکوں نے موقع پا کر خراسان

پر حملہ کر دیا۔لیکن جیسے ہی شاہ اسماعیل اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے تو اس کی خبر ملتے ہی ازبک خراسان چھوڑ کر ماوراء النہر واپس چلے گئے۔

8.3.1.2 ایران کے عثمانیوں سے تعلقات

قبیلہ تکلو کے حسن اوغلو کہ جو شاہ قلی کے لقب سے ملقب تھا، جبکہ جو لوگ اس کے مخالف تھے وہ اس کو شیطان قلی کے نام سے پکارتے تھے۔عثمانیوں کے خلاف ایک بڑی بغاوت ہوئی ان باغیوں کی سرکوبی کے لیے عثمانیوں نے ایک بڑی فوج بھیجی اس بغاوت کی سرکوبی کے دوران شاہ قلی کو بھی قتل کر دیا گیا۔اس کے بعد سلطان سلیم اول تخت نشین ہوا اور اس نے 40 ہزار شیعوں کو قتل کیا۔پھر اس نے ایران سے جنگ کی جس میں شاہ اسماعیل کا کافی جانی نقصان ہوا۔کہا جاتا ہے کہ اس شکست کے بعد کسی نے شاہ اسماعیل کو ہنستے نہیں دیکھا تھا۔شاہ اسماعیل کا انتقال 1523 میں ہوا۔ان کی لاش کو اردبیل لایا گیا اور شیخ صفی الدین اردبیلی کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔

شاہ اسماعیل کا ایران کے بڑے حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے۔شاہ اسماعیل نے شیعیت کو ایران کی حکومت کا مذہب قرار دیا۔اور ایرانیوں کو متحد کیا اور ان کے دور میں ایران کافی مستحکم ہوا۔

8.3.2 شاہ طہماسپ 1576-1523ء

شاہ اسماعیل کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا شاہ طہماسپ اول تخت نشین ہوا۔1525ء میں عبید اللہ خاں ازبک نے خراسان پر حملہ کر دیا۔ 1528ء میں زور آباد میں طہماسپ نے عبید اللہ خاں ازبک کو شکست دی۔اس کے بعد طہماسپ نے حسین خاں شاملو کو اس علاقے کا فرمانروا مقرر کیا۔ 1530ء میں عبید اللہ ازبک نے ہرات کا محاصرہ کیا۔لیکن جیسے ہی اس کو طہماسپ کے آنے کی اطلاع ملی عبید اللہ ازبک وہاں سے بھاگ گیا۔سلیمان نے بادشاہ بننے کے بعد چار مرتبہ آذربائی جان پر حملہ کیا اور پھر بغداد پر قبضہ کر لیا۔ 1533ء میں سام میرزا نے جو طہماسپ کا بھائی تھا بغاوت کر دی۔ان حالات سے فائدہ اٹھا کر عبید اللہ خاں ازبک ہرات پہنچ گیا۔لیکن جب اسے پتہ چلا کہ شاہ طہماسپ تبریز سے خراسان آ گیا ہے تو ہرات کو برباد کر کے عبید اللہ ماوراء النہر چلا گیا۔ 1544ء میں القاص میرزا جو طہماسپ کا بھائی تھا نے بغاوت کر دی اور 1546ء میں استنبول بھاگ گیا اور سلطان سلیمان خاں نے اسے پناہ دی۔ پھر سلیمان خاں نے القاص میرزا کے ساتھ تبریز پر قبضہ کر لیا۔اور القاص ہمدان پر قبضہ کرنے کے بعد اصفہان چلا گیا لیکن اصفہان کے لوگوں نے اس کو وہاں رہنے نہیں دیا پھر سلطان سلیمان سے اجازت لیے بغیر وہ فارس کے راستے سے بغداد چلا گیا۔اس وجہ سے سلطان سلیمان اس سے ناراض ہوا اور القاص میرزا کو کردستان میں قید کر دیا گیا اور ایک عرصہ بعد اس کی موت قید خانہ میں ہی ہوگئی۔طہماسپ نے 1547ء میں گرجستان اور 1550ء میں شروان کو فتح کر لیا اس کے بعد اپنے لڑکے اسماعیل مرزا کو ایک لشکر کے ساتھ روم کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔1558ء میں سلیمان کا ایک بیٹا جس کا نام بایزید تھا باپ سے ناراض ہو کر طہماسپ کی پناہ میں آ گیا، طہماسپ نے اس کا پرجوش استقبال کیا اور اس کو اپنے دارالسلطنت قزوین میں رہنے کی جگہ دی۔ 1560ء میں سلطان سلیمان نے اپنا سفیر تحائف کے ساتھ طہماسپ کے پاس بھیجا، طہماسپ نے 1560ء میں دولت عثمانیہ کے ساتھ صلح کر لی اور سلیمان کے بیٹے بایزید کو باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔ چوں کہ تبریز زیادہ تر عثمانی حملوں کا شکار رہتا تھا اس لیے طہماسپ نے اپنے دارالسلطنت کو قزوین منتقل کر دیا تھا۔

1544ء میں ہمایوں تیموری دوم ہندوستان کے مغل بادشاہ شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ایران آ گیا تا کہ اسے وہاں پناہ مل

سکے۔ طہماسپ نے اسے بڑی مہربانیوں کے ساتھ پناہ دی۔ اور اس کو فوجی مدد دی جس کی وجہ سے وہ اپنی حکومت کو دوبارہ حاصل کر سکا۔ ایران کو اس کے عوض قندھار ملا۔ ہمایوں نے اسی سفر مہاجرت میں تربت جام میں حمیدہ بیگم سے نکاح کیا اور اسی کے شکم سے اکبر پیدا ہوا۔ تربت جام میں ہمایوں کا لکھا ہوا کتبہ ابھی بھی موجود ہے۔ 1562ء میں ایران و انگلینڈ میں ایک معاہدہ ہوا۔ ملکہ الزبتھ کا سفیر انٹونی جنکسن ایران آیا اور قزوین میں شاہ سے ملا۔ طہماسپ نے اس کا استقبال کیا اور اس کے ساتھ پوری مہربانی کے ساتھ پیش آیا۔ شاہ طہماسپ 1576ء میں 54 سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔ صفوی دور کے بڑے بادشاہوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے باپ کی طرح حوصلہ منداور بہادر نہ تھا لیکن جو سلطنت اسے وراثت میں ملی تھی اس کو اس نے بہتر طریقے سے قائم رکھا۔ شروع میں عیش وعشرت کی طرف راغب رہا لیکن درمیانی دور سے عیاشی وغیرہ سے توبہ کی اور شریعت کے مطابق احکام جاری کیے۔

8.3.3 اسماعیل دوم 1577-1576ء

شاہ طہماسپ کے گیارہ لڑکے تھے۔ بڑے لڑکے کا نام محمد خدا بندہ تھا۔ وہ باپ کے انتقال کے وقت 45 سال کا تھا۔ باپ کے انتقال کے وقت اس کی بینائی بہت کم ہوگئی تھی اس بنا پر وہ بادشاہت سے مستعفی ہو گیا۔ چھوٹا بھائی حیدر دارالسلطنت میں موجود تھا اور دیگر تمام برادر مملکت کے کسی ایک کونے میں تھے۔ لہذا وہ بادشاہت کے تخت پر بیٹھا۔ لیکن طہماسپ کے ایک بیٹے اسماعیل مرزا (جس کو طہماسپ کے حکم سے قلعہ ٹھٹہ میں قید کیا گیا تھا) کے ہم نوا قزوین میں جمع ہوئے اور مسجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھوا دیا۔ اور حیدر کو اسماعیل کے طرفداروں نے قتل کر دیا۔

اسماعیل کے ساتھیوں نے اس کو قید سے نکالا، اس نے اپنے تمام بھائیوں اور شہزادوں کو قتل کروا دیا۔ لیکن عباس مرزا جو چھوٹا تھا اور اس کا بھتیجہ جو محمد خدا بندہ کا بیٹا تھا وہ اس قتل عام سے محفوظ رہے۔ وہ ہرات کا حکمراں تھا۔ شاہ اسماعیل نے علی قلی خاں شاملو کو ہدایت دی کہ وہ ہرات جا کر عباس کو قتل کر دے، اس امیر نے اپنے مذہبی عقائد اور رمضان کا احترام کرتے ہوئے سوچا کہ اس کو رمضان کے بعد قتل کرے۔

شاہ اسماعیل دوم طبعاً عیاش اور ظالم تھا۔ وہ اپنے ایک استاد کے کہنے پر رضامند ہو گیا کہ اگر وہ بادشاہ ہو گیا تو ایران سے شیعی مذہب کا اثر ختم کر دے گا۔ اور اس نے بادشاہ بننے کے بعد خطبہ اور سکہ میں خلفائے راشدین کا نام شامل کرا دیئے۔ اس بنا پر اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان محمد اور اس کا بیٹا عباس میرزا اس وقت کے قتل عام سے بوجوہ محفوظ رہے۔ شاہ اسماعیل دوم کے مرنے کا سبب شراب اور افیون کا کثرت استعمال بتایا جاتا ہے، لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ پندرہ مردوں نے عورتوں کا لباس پہن کر اس کو قتل کیا تھا۔ لیکن عوام اس کے قتل سے بہت خوش ہوئے۔

8.3.4 شاہ محمد خدا بندہ 1587-1577ء

شاہ اسماعیل دوم کی موت کے بعد امراء مملکت نے محمد میرزا کو جو شیراز میں تھا بلایا اور 1577ء میں سلطنت کے تخت پر بٹھا دیا۔ وہ 2 شوال کو قزوین پہنچا اور خدا بندہ کے لقب سے بادشاہ بنا۔ بینائی کمزور ہونے کے علاوہ، بیمار اور غیر منتظم شخص تھا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ رستم خاں اور شاہ شجاع کو جو شاہ اسماعیل ثانی کا بیٹا تھا قتل کرا دیا۔ اسی کے عہد میں سلطان مراد خاں ثالث عثمانی قرا باغ اور شروان کی طرف آیا تا کہ ان علاقوں کو فتح کرے۔ سلطان محمد خدا بندہ نے اپنے بھائی حمزہ میرزا کو جو بہت بہادر تھا بڑی فوج کے ساتھ عثمانیوں کو بھگانے کے لیے بھیجا، اس نے عثمانی فوج کو شکست دی۔ 1581ء میں علی قلی خاں شاملو نے بغاوت کی اور خطبہ وسکہ میں عباس میرزا کا نام شامل کر دیا اور ہرات کی حکومت آزادانہ قائم کر لی۔ سلطان محمد نے اپنے بیٹے حمزہ میرزا کو علی قلی خاں شاملو کے فتنہ کو فرو کرنے کے لیے خراسان بھیجا اور جب فتنہ فرو ہو گیا

تو پھر وہ خود 1583ء میں ہرات کی فتح کے لیے گیا۔اس طرح عباس میرزا سے صلح ہوگئی اور خراسان و ہرات اسی کی حکومت میں رہے۔حمزہ کو عراق کی حکومت ملی۔اس کے بعد حمزہ میرزا عثمان پاشا کو دفع کرنے کے لیے آذربائیجان آیا۔عثمان پاشا شکست کھا کر کردستان کی طرف بھاگ گیا۔حمزہ میرزا کو خداوردی نے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر خراسان پہنچی تو خراسان کے امیر عباس میرزا کو بادشاہ بنا دیا گیا،جن امراء نے حمزہ میرزا کو قتل کیا تھا انہوں نے اس کے دوسرے بھائی ابوطالب میرزا کو بادشاہ بنا دیا۔اورحمزہ میرزا کی لاش کو اردبیل لے آئے۔اس کے بعد قزوین اور پھر وہاں سے اصفہان چلے گئے۔عباس میرزا1587ء میں بادشاہ بنا۔

8.3.5 شاہ عباس بزرگ 1628-1587ء

جب شاہ عباس تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر 18 سال سے زیادہ نہ تھی۔مملکت کے تمام کام مرشد قلی خاں استاجلو کے سپرد تھے۔جس وقت عباس تخت پر بیٹھا اس وقت ایران چاروں طرف سے مخالفین سے گھرا ہوا تھا۔مغرب کی طرف سے عثمانی،مشرق کی طرف سے ازبک، دوسری طرف مرشد قلی خاں نظم حکومت پر قبضہ کیے ہوئے تھا۔ لیکن ایک رات شاہ عباس نے دوسرے دشمنوں کو ختم کرنے کا عزم کیا،ایک بڑی فوج جمع کی تا کہ ایک گروہ سے جنگ کی جائے اور دوسرے کو طاقت کے زور پر ختم کر دیا جائے۔حیدر مرزا کو اس منصوبہ کے تحت استنبول بھیجا۔اسی دوران عبدالمومن خاں سپر عبداللہ خاں ثانی نے مشہد کا محاصرہ کرلیا۔لیکن اتفاق سے جب شاہ عباس تہران پہنچے تو بیمار ہوگئے اور مشہد تک نہ پہنچ سکے۔ازبکوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مشہد کو برباد کر دیا، وہاں کے کافی لوگوں کو قتل کیا اور اس کے بعد سبزوار کو تباہ کیا اور وہاں بھی لوگوں کا قتل عام کیا۔اسی دوران شاہ عباس کی صحت ٹھیک ہوگئی اور عبداللہ خاں ازبک کا انتقال ہوگیا۔لہٰذا 1597ء میں شاہ عباس خراسان آئے اور عبداللہ خاں کے بھانجے کو شکست دی اور ازبکوں کو اس بری طرح کچلا کہ کافی عرصے تک خراسان ازبکوں کے حملوں سے محفوظ رہا۔

8.3.5.1 نئی اصلاحات

دولت عثمانیہ کا زور توڑنے کے لیے ارل آف اسکس کے سفیر انتھنی شرلی آئے تا کہ ایران اور یوروپ سے معاہدہ ہو۔اس کے تحت فوج کی بھی اصلاح کی گئی اور تیر وتلوار کے بجائے اب بندوق کا بھی رواج شروع ہوا۔تفنگ چیوں کا ایک دستہ بنا جو قسم دوم کی فوج تھی، اور قسم سوم میں توپچی تھے،اس کے بنانے میں رابرٹ شرلی نے مدد کی۔ یہ دستہ تعلیم وتربیت یافتہ تھا۔ یہ پوری فوج الہ وردی خاں کے تحت تھی۔اس سے پہلے ایرانی سپاہی تلوار، تیر و نیزوں سے لڑتے تھے اب انھوں نے جدید جنگی ہتھیاروں سے لڑنا شروع کر دیا۔

8.3.5.2 فتح لار و بحرین

1600ء میں الہ وردی خاں زرگر نے لار اور بحرین ایران کے لیے ضروری سمجھے لہٰذا ان کو فتح کیا گیا۔

جب شاہ عباس نے اپنے کو مضبوط پایا تو تبریز پر حملہ کیا اور 1602ء میں اس کو فتح کرلیا، پھر الہ وردی خاں نے خوزستان کی جانب سے بغداد کا ارادہ کیا۔لیکن شاہ کے حکم سے اس محاصرہ کو ختم کر دیا۔

اوزون احمد نے جو عثمانی سردار تھا بغداد کو خالی دیکھ کر ایران کی مغربی سرحد پر حملہ کر کے ہمدان پر قبضہ کرلیا۔شاہ عباس نے دوبارہ الہ وردی خاں کو اس کی تسخیر کے لیے بھیجا۔اوزون احمد کی شکست ہوئی اور شہر پر صفوی قہر نازل ہوا اور اس طرح بغداد اور شرواں دونوں ایران کے زیر حکومت آ گئے۔شاہ عباس کے تعلقات مغل بادشاہ جہانگیر سے بہتر تھے،لیکن ایرانیوں نے قندھار کو فتح کرلیا جس کے نتیجے میں دونوں کے

تعلقات خراب ہو گئے۔

قراباغ کے حکمراں تہمورن خاں گرجی کا قتل ہو گیا تو شاہ عباس 1615ء میں گرجستان آئے اور وہاں قتل عام کر دیا، محمد پاشا جو سلطان احمد خاں عثمانی کا صدر اعظم تھا دوبارہ گرجستاں کی طرف آیا اور پھر دوبارہ صفویوں اور عثمانیوں میں صلح ہو گئی۔ پھر عثمان خاں دوم کے دور میں خلیل پاشا جو عثمانیوں کا صدر اعظم تھا بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور شاہ عباس کو شکست ہوئی لیکن دوبارہ شاہ عباس نے عثمانی افواج پر 1622ء اور 1624ء میں فتح حاصل کی اور بغداد تک فتح کر لیا اور پھر روضات کی زیارت کے لیے گیا اور وہاں تعمیرات بھی کرائیں۔

1602ء میں اسپین کے بادشاہ فلپ سوم نے اپنا ایک سفیر شاہ عباس کے پاس مشہد بھیجا کہ ایران اس کو اجازت دے تا کہ بحرین پر تگالیوں کے تصرف میں نہ رہے۔ لیکن شاہ عباس نے شیرا وستی کو صاف جواب نہیں دیا۔ 1612 میں الہ وردی خاں نے اپنے بیٹے اما قلی کو بندر جرون کو فتح کرنے کے لیے بھیجا لیکن اسی سال الہ وردی خاں کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے کو ایران کے بگلیر بیگی کا منصب ملا۔ اسپین اور ایران نے معاہدہ کیا کہ ایران خشکی کے راستے سے اور انگریز سمندر کے راستے سے حملہ کریں گے اور اس طرح سے خلیج فارس پر پر تگالیوں کے قبضہ کو ختم کر دیں گے۔ ایرانی اور انگریزی فوجوں نے 1621ء کو قلعہ ہرمز کا محاصرہ کیا اور اس قلعہ کو فتح کر لیا۔

پر تگالیوں کا قبضہ تقریباً 155 سال پہلے شاہ اسماعیل کے دور سے شروع ہوا تھا۔ لیکن قشم اور ہرمز کی فتح کے بعد ان کا قبضہ پورے طور پر ختم ہو گیا اور مجبوراً انہوں نے 1626 میں شاہ عباس سے صلح کی۔ لیکن شاہ عباس نے یہ سوچا کہ ان کی دوستی کو پورے طور پر ختم نہ کیا جائے انہیں بحرین میں تجارت کرنے اور بندر لنگر میں قلعہ اور تجارتی کمپنی بنانے کی اجازت دے دی۔

1598ء کے آخر میں شاہ عباس نے اینٹونی شرلی کے ساتھ حسین علی بیگ بیات کو یوروپ کے باشادھوں کے دربار میں بھیجا تا کہ ان سے عثمانیوں کے خلاف معاہدہ کیا جائے۔ لیکن اسی دوران شرلی اور حسین علی بیات میں اختلاف ہو گیا اور شرلی ان سے علاحدہ ہو گیا اور اسپین چلا گیا اور پھر واپس نہیں آیا۔ حسین علی بیات ایک لمبا سفر کرنے کے بعد اسپین کے دربار میں پہنچا اور کام ختم کرنے کے بعد ایران واپس آ گیا۔

1622ء میں شاہ عباس نے رابرٹ شرلی کو تجارتی عہدنامہ کے لیے انگلینڈ بھیجا اور اس کے ساتھ نقد علی بیگ کو بھیجا۔ 1626ء میں انگلستان نے سردر مرکوٹن کو ایران بھیجا۔ لیکن دونوں سے کوئی ایک نتیجہ نہ نکلا۔ اسی دوران ایک معاہدہ ہوا کہ ایران انگلینڈ کے دشمنوں کو باہر کرے گا۔ شاہ عباس نے بندر جاسک کو ان کے تجار کے ٹھہرنے کے لیے منظور کر لیا۔ فرانسیسیوں نے بھی کوشش کی کہ شاہ عباس کے دور میں انہیں ایران سے تجارت کرنے کی اجازت مل جائے لیکن یہ کام تیس سال کے عرصے میں مکمل نہ ہو سکا۔ 1628ء میں اشرف میں شاہ عباس کا انتقال ہو گیا، ان کی نعش کو کاشان لایا گیا اور وہیں دفن کیا گیا۔ شاہ عباس، صفوی بادشاہوں میں سب سے اہم مقام رکھتے ہیں۔ شاہ عباس کو انتقال کے بعد جنت مکان اور خلد آشیاں کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے 1591ء میں اپنے دارالسلطنت کو قزوین سے اصفہان تبدیل کیا، اور پھر اس کو آباد کیا، اور بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر کیں، جیسے عالی قاپو و میدان بزرگ نقش جہاں اور مسجد شاہ اور برے پر فزا باغ اور پورے ایران میں کارواں سرائیں تعمیر کرائیں۔ شاہ عباس نے چاہا کہ پورے ایران میں ایک سکہ چلے لہذا ایران میں عباسی سکہ رائج کیا۔ لیکن شاہ عباس بہت سخت دل تھا۔ جو کشت و خون گرجستان میں اس نے کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھی سخت ظلم کیا۔ اپنے باپ کو جس کی بینائی کم ہو چکی تھی اس کو بالکل اندھا کرا دیا۔ اس کے بعد دو بھائیوں کو اندھا کرا دیا۔ اپنے بڑے بیٹے صفی میرزا کو اس ڈر سے کہ وہ بغاوت نہ کر دے قتل کرا دیا۔ اور دو بیٹوں امام قلی میرزا اور خدا بندہ میرزا کو اندھا کرا دیا۔ اسی وجہ سے اس کی موت کے بعد کوئی

لائق شہزادہ نہ رہا کہ جو اس کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالتا اور صفوی حکومت کی طاقت شاہ عباس کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔

8.3.6 شاہ صفی 1642-1628ء

شاہ عباس نے اپنی موت کے پہلے سام میرزا کے بیٹے صفی میرزا کو اپنا جانشین متعین کیا۔ وہ 1628ء میں تخت شاہی پر بیٹھا۔ اس کی عمر اس وقت 17 سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس نے اپنی زندگی عیش و نشاط و شراب تک محدود رکھی لیکن دل کا بہت سخت تھا۔ امام قلی خاں کو جو ہرمز کا فاتح تھا دو تین بیٹوں کے ساتھ قزوین میں قتل کرا دیا اور اپنے چچا امام قلی میرزا کو بھی، جو پہلے نابینا کر دیا تھا، قتل کرا دیا۔ اس کی حکومت کے پہلے سال میں ازبکوں نے مشہد پر حملہ کیا لیکن منوچہر خاں نے ان کو شکست دی۔

دوسرے سال میں عثمانی فوج نے خسرو پاشا کی قیادت میں حملہ کیا اور موصل، کردستان اور ہمدان پر قبضہ کرلیا اور اس علاقے کے باشندوں کو قتل کیا، اس کے بعد بغداد پر حملہ کیا لیکن وہاں کامیاب نہ ہو سکے۔ شاہ صفی نے صفہ میں زینل خاں شاملو کو قتل کرا دیا۔ 1638ء میں عثمانیوں نے دوبارہ حملہ کیا اور بغداد کو فتح کرلیا اور مجبوراً شاہ صفی کو عثمانیوں سے صلح کرنی پڑی۔ پھر اسی دور میں قندھار پر شاہ جہاں نے قبضہ کرلیا۔

شاہ صفی 1642ء میں مشہد سے واپسی میں کاشان میں زہر کے اثر سے 31 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

8.3.7 شاہ عباس دوم 1666-1642ء

شاہ صفی کے انتقال کے وقت اس کا لڑکا عباس میرزا 9 سال کا تھا۔ وہ شاہ عباس ثانی کے لقب سے 1622ء میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن حکومت کا پورا نظام اس کے باپ کے دور کے وزیر سارو تقی اعتماد الدولہ کے ہاتھ میں تھا۔ چوں کہ بچپن میں ہی اس کو حرم سرا سے نکلنا پڑا اس لیے اس میں انتظامی صلاحیتیں پیدا نہ ہو سکیں۔ 1645ء میں اس نے اپنے وزیر سارو تقی کو قتل کرا دیا۔

شاہ عباس دوم نے اپنی حکومت کے اوائل میں آدھا ملین مالیات رعایا پر معاف کر دیئے جس کی وجہ سے وہ عوام میں کافی مقبول ہوا۔ اس کا رویہ دوسرے مذاہب کے ساتھ بھی بہتر تھا۔ اس نے قندھار کو جو اس کے باپ کے عہد میں ایران کے قبضہ سے نکل گیا تھا دوبارہ فتح کرلیا۔ اگرچہ اورنگ زیب نے قندھار کی بازیابی کی بہت کوشش کی لیکن قندھار فتح نہ ہوسکا۔ روس نے اس دور میں گرجستان کے عوام کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے مہم شروع کی تہمورشاہ خاں کے ذریعہ کی گئی دفاعی کوشش ناکام رہی اور 1660 میں وہ ایران آیا اور معافی کی درخواست کی۔ شاہ عباس دوم نے اس کی خطا کو معاف کردیا۔ اس کے عہد میں ایک ازبک امیر امام قلی خاں نے ایران میں پناہ لی۔ شاہ عباس اس کے ساتھ بہت محبت سے پیش آیا۔ نذر محمد، بلخ کا حکمراں، بھی شاہ جہاں کے ڈر سے ایران ہی آ گیا تھا، شاہ عباس نے اس کی مدد کے لیے ایک فوج بھی دی تھی۔ شاہ عباس نے ایک فوج قراولان جزایری کے نام سے تیار کی۔ اس میں 600 فوجی تھے جو پورے طور پر نئے اسلحہ جات سے منظم تھے۔

شاہ عباس نے ایک شاندار عمارت قاپو، باغ سعادت اور چہل ستون 1647ء میں اصفہان میں تعمیر کیے، ایک پل جس کا نام خواجو ہے تعمیر کیا، یہ ایران کے سب سے خوب صورت پلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

تالار اشرف اور کارواں سرای سارو تقی اسی کے دور کی عمارتیں ہیں۔ 1665ء میں ایک سفیر روس سے ایران آیا۔ شاہ عباس دوم کا 1666ء میں دامغان کے نزدیک انتقال ہوگیا اور اس کی نعش کو قم لا کر دفن کیا گیا۔ شاہ عباس اول کے بعد شاہ عباس دوم ایران کے مشہور صفوی بادشاہوں میں سے ہے۔

8.3.8 شاہ سلیمان

شاہ عباس دوم کے دولڑکے تھے ایک صفی میرزا اور دوسرے حمزہ میرزا۔لیکن اس نے اپنے ولی عہد کا تقرر نہیں کیا تھا۔مملکت کے امراء نے اس کے انتقال کے بعد صفی میرزا کو شاہ صفی ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔اس نے 20 سال حرم ہی میں گزارے تھے اور بغیر کسی عزم و ارادے کے تخت پر بیٹھا اس نے اپنا لقب شاہ صفی سے شاہ سلیمان کر لیا۔ چوں کہ اس بادشاہ نے اپنی زیادہ عمر حرم سرا اور عورتوں کے درمیان گزاری تھی اس کی کوئی تربیت نہ ہو سکی تھی۔لہذا صفوی بادشاہوں میں یہ بدترین بادشاہ گزرا ہے۔اس نے اپنے باپ کے دور کے ایک امیر شیخ علی خاں زنگہ کو وزیر بنا دیا اور پھر 1689ء میں صدارت کا عہدہ بھی اس کے سپرد کر دیا۔ 1675ء میں آدنیہ سلطان نے حملہ کیا اور استرآباد، دامغان اور سمنان کو تباہ کر ڈالا۔اور دوسرے سال شاہ سلیمان کو کلب علی خاں شاملو نے شکست دی۔شاہ سلیمان کے لیے بڑی خوش بختی تھی کہ اس زمانے میں عثمانی حکمراں یوروپ سے جنگ میں مصروف تھے اور انہیں اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ ایران پر حملہ کرتے۔شاہ سلیمان تندخو، سنگ دل اور ظالم بادشاہ تھا۔کبھی بہت خوش ہوتا اور کبھی طیش میں، جب طیش میں آتا تو پھر لوگوں کی خیر نہ ہوتی، لیکن اس کے دور میں یوروپ کے ایران سے تعلقات بہتر رہے۔اس بادشاہ نے اصفہان میں ایک عمارت ہشت بہشت کے نام کی تعمیر کی جو 1692ء میں مکمل ہوئی۔دو فرانسیسی سیاح شاردن اور تاورنیہ ایران آئے اور انہوں نے اپنے سفرنامہ میں ایران کی بہت تعریف کی ہے۔

8.3.9 شاہ سلطان حسین 1694-1722ء

شاہ سلیمان کے کئی بیٹے تھے لیکن ان میں مشہور حسین میرزا اور مرتضیٰ میرزا تھے۔سلیمان نے اپنے انتقال سے پہلے کہا تھا کہ اگر تم چاہو کہ ایران ترقی کرے تو مرتضیٰ میرزا کو تخت پر بٹھا دینا اور اگر چاہو کہ تم آرام سے رہو تو حسین میرزا کو تخت پر بٹھا دینا۔جن امراء کو دربار میں

اقتدار حاصل تھا انہوں نے حسین میرزا کو شاہ سلطان حسین کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔ وہ اس وقت 26 سال کا تھا اور عمر کا زیادہ تر حصہ عورتوں، خواجگان حرم کے درمیان گزارا تھا، وہ آرام طلب بادشاہ تھا۔ اس کا رجحان مذہب کی طرف کافی تھا۔ دینی مراسم اور تلاوت قرآن کی طرف اس کی توجہ کافی تھی۔ بادشاہ بننے کے بعد شراب خانے بند کرا دیئے اور شراب پینا ممنوع قرار دے دیا۔ اور چرچ اور غیر اسلامی عبادت گاہوں میں عبادت کرنا ممنوع قرار دیا۔ چوں کہ وہ علما کے زیر اثر تھا صوفیا کے ساتھ اس کا سلوک سخت تھا۔ اس نے خانقاہوں کو تباہ کر دیا اور صوفیا کو شہروں سے نکال دیا گیا۔ وہ زیادہ تر اوقات مدرسہ چہار باغ اصفہان میں طلبہ کے ساتھ گزارتا تھا اور اسی میں اس کا ایک کمرہ بھی تھا۔ وہ بہت رحم دل تھا اور اس میں وہ تمام کمزوریاں نہ تھیں جو اکثر بادشاہوں میں پائی جاتی ہیں۔ حکومت میں عمل دخل زیادہ تر خواجہ سراؤں اور علما کا تھا۔ اس نے اپنے دور میں اپنے تمام ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے۔ تین عثمانی حکمرانوں کے ساتھ تعلقات اچھے نہ رہے۔ 1698ء میں بلوچ قبائل نے بغاوت کردی اور کرمان پر حملہ کر دیا تو اس نے شاہنواز خاں گرجی کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا جس نے بلوچ قبائل کو شکست دی اور ان کے فتنہ کو ختم کر دیا۔ 1708ء میں ایران اور فرانس میں ایک معاہدہ ہوا اور فرانس کا سفیر میشل اصفہان آیا۔ 1718ء میں لزگی داغستان کے قبایل نے شروان فتح کرنے کے بعد گرجستان کے علاقے کو تباہ کر دیا۔

8.4 صفوی عہد میں تہذیب وثقافت

ایران قدیم دور سے ہی تہذیب وثقافت کا مرکز رہا ہے۔ اس قدیم دور کے شاہکار آج بھی موجود ہیں جن سے ایران کی عظمت آشکار ہے۔ مصوری اور زیبائش ایران اور ایرانیوں کی سمجھ کا حصہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ شاید چیزوں کو بہتر وخوب صورت ڈھنگ سے سنوارنا ان کا حق ہے۔ ایران نے اپنے فن سے زندگی میں رنگ بھر دیے ہیں۔ ایران کے فرماں رواؤں نے بھی اپنے ملک کو سنوارنے میں بہت دل چسپی لی۔ فن تعمیر میں دنیا نے دل چسپی لی لیکن اس کا جس طرح احیاء ایران میں ہوا وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ انہی آثار کی خوب صورت بنیاد پر جو ایرانیوں میں اصفہان میں تعمیر کیں، کہا جاتا ہے اصفہان، نصف جہان۔ ان کے تعمیر کردہ محلات اور ان کا منصوبہ اتنا خوب صورت ہے کہ دنیا میں اس کا جواب مشکل سے ملے گا۔ صفوی بادشاہوں نے بھی کافی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرائے جو اس دور کی اہم نشانیوں میں سے ہیں۔ ان آثار میں محلات، باغ، روضات، حویلیاں، مدارس اور پل وغیرہ ہیں۔ انھوں نے نہ صرف ایران میں فن تعمیر میں کارنامے انجام دیے بلکہ مغل عہد میں ایرانیوں نے ہندوستان میں بھی اہم کارنامے انجام دیے جن میں اعتماد الدولہ کا مقبرہ اور تاج محل اپنی مثال آپ ہیں۔ یعنی ایرانیوں نے اپنی خوب صورت فن تعمیر کو صرف ایران تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس فن تعمیر کے احیا میں دوسرے ممالک کو بھی شامل کیا۔

مصوری بھی ایسا لگتا ہے کہ شاید ایران ہی کا دوسرا نام ہے۔ ایرانیوں کو خوب صورت چیزیں پسند ہیں اسی وجہ سے مصوری کا بھی احیا ایران میں ہوا۔ مصوری کا اہم اسکول ایران میں صفوی بادشاہوں کے عہد میں پروان چڑھا۔ ان کی مصوری کا جواب نہیں۔ جب مغل بادشاہ ہمایوں، شیر شاہ سے شکست کے بعد ایران گیا اور اس کی ملاقات ایران کے بادشاہ شاہ طہماسپ صفوی سے ہوئی اس کے بعد اس کو ایران دیکھنے کا موقعہ ملا۔ وہیں ہمایوں نے مصوری کے اسکول اور نمونے دیکھے۔ جب ہمایوں نے شاہ طہماسپ سے رخصت چاہی تو اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے مصوروں میں سے کچھ مصوروں کو دے دیں۔ لہٰذا شاہ طہماسپ نے دو مصور میر سید علی اور خواجہ عبدالصمد دیے جنھوں نے اکبر کے عہد میں مغل اسکول مصوری کی بنیاد ڈالی اور اہم کارنامے انجام دیے۔ ایران کی مصوری کے نمونے آج بھی بڑا اہمیت کے حامل ہیں۔

ایران میں فارسی شعرا نے بھی اہم کارنامے انجام دیے ان میں بڑے اہم نام ہیں اور ایک لمبی فہرست ہے۔لیکن حافظ شیرازی اور جلال الدین رومی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔شاہنامہ فردوسی اپنی مثال آپ ہے۔اسی کے ساتھ فن موسیقی کا بھی احیا ہوا۔ایران نے بڑے مشہور موسیقار پیدا کیے جنھوں نے ایران میں فن موسیقی کو مالا مال کر دیا۔

لباس کے معاملے میں بھی ایرانی بڑے حساس ہیں اور انھوں نے خوب صورت کپڑے اور ان پر خوب صورت ڈیزائن بنائے۔ساتھ ہی ساتھ ان پر کام بھی کیا جس سے اس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔پھر قالین بنانے کے فن میں بھی احیاء ہوا اور بڑے خوب صورت قالین تیار کیے گئے جو ان کے محلات کی زینت بنے۔ایرانیوں نے برتن بنانے میں بڑی دل چسپی لی اور بڑے خوب صورت اور نفیس برتن تیار کیے تاکہ وہ کھانے کے ساتھ ساتھ اچھے لگیں۔اسی طرح کتابیوں کی زیبائش میں بھی ایرانیوں نے بڑی دل چسپی لی۔صفوی عہد کے مخطوطات کی جلدیں اور ان پر خطاطی کے مختلف نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔عقیدت اور خوب صورتی کے جذبات میں ڈوب کر انھوں نے قرآن مجید کی کتابیت کی اور اس کو مختلف رنگوں سے خوب صورت بنایا جس کے نتیجہ میں قرآن مجید کے ایسے نسخے اس دور میں تیار ہوئے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔زندگی کا کوئی ایسا رخ اور شعبہ نہیں ہے کہ جس کو ایرانیوں نے صفوی دور میں خوب صورت نہ بنایا ہو، یہی وجہ ہے کہ صفوی دور میں نہ صرف بادشاہوں بلکہ امرا اور دوسرے دولت مند اشخاص نے ایران میں تہذیب و ثقافت کے احیا میں دل چسپی لی جس کی وجہ سے صفوی دور کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

8.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- ایران میں صفوی حکومت کا آغاز شاہ اسماعیل صفوی سے ہوتا ہے، جن کا شجرہ مشائخ ایران سے تعلق رکھنے والے شیخ صفی الدین اردبیلی سے ملتا ہے۔
- شیخ صفی الدین شافعی مذہب رکھتے تھے، لیکن ان کی اولاد نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا جس کے نتیجہ میں صفوی خاندان بھی شیعی عقائد کا پیرو رہا۔
- بانی حکومت شاہ اسماعیل نے مذہب کے معاملہ میں سختی کی پالیسی اپنائی جس کی وجہ سے ایران کی ایک بڑی آبادی نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا، شاہ اسماعیل نے ہندوستان کی مغل حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کیے، ہمایوں جب شکست کھا کر ایران آیا تو دوسرے صفوی بادشاہ شاہ طہماسپ نے اس کو نہ صرف پناہ دی بلکہ فوجی مدد بھی دی، طہماسپ نے 54 برس حکومت کی۔
- اسماعیل میرزا نے ایران سے شیعی مذہب کو ختم کرنے کے ارادہ سے خطبہ اور سکے میں خلفائے راشدین کا نام شامل کرایا۔لیکن وہ بہت جلد قتل کر دیا گیا اور امراءِ مملکت نے شاہ محمد خدابندہ کو 1577ء میں بادشاہ بنالیا۔
- 1587ء میں شاہ عباس میرزا تخت حکومت پر بیٹھا، اس وقت اس کی عمر صرف 18 سال تھی، اور ایران چاروں طرف سے مخالفین سے گھرا ہوا تھا۔

- شاہ عباس نے ملک کے اندر اصلاحات کیں، فوجی نظام کو مضبوط بنایا اور کئی اطرف میں فتوحات حاصل کیں، اس کے دور میں ایران کی لڑائی عثمانیوں کے ساتھ ہوئی، اسی طرح اسپین کے بادشاہ کے ساتھ اس کی صلح ہوئی۔
- شاہ عباس نے ایران میں عالی شان عمارتیں بنوائیں اور ایران کو مستحکم بنا دیا۔
- جب شاہ عباس کا انتقال ہوا تو اس کے ساتھ ہی صفوی حکومت کی طاقت بھی ختم ہوگئی۔
- ایران کی صفوی حکومت کے زمانہ میں فن تعمیر میں کافی ترقی ہوئی اور صفوی بادشاہوں نے کافی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرائے، ان میں محلات، باغ، روضات، حویلیاں، مدارس اور پل وغیرہ شامل ہیں، ان خوب صورت تعمیرات کی وجہ سے ایران کے شہر اصفہان کو 'اصفہان نصف جہان' کہا جاتا تھا۔
- تعمیرات کے علاوہ مصوری کے میدان میں بھی ایران نے کافی شہرت حاصل کی اور ایرانی مصوری کے نمونے دنیا کے دوسرے مما لک تک پہنچے۔
- فن موسیقی کا بھی احیا ہوا اور ایران نے بڑے مشہور موسیقار پیدا کیے۔
- قرآن مجید کی خطاطی و کتابت ایرانیوں کے بے مثال کارنامے ہیں۔

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ شاہ طہماسپ اور اسماعیل دوم کے کارناموں کا جائزہ لیجیے۔

2۔ شاہ صفی اور شاہ عباس دوم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اختصار کے ساتھ تحریر کیجیے۔

3۔ شاہ سلیمان اور شاہ سلطان حسین کے دور حکومت پر تبصرہ کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ صفوی حکومت کے قیام و استحکام میں شاہ اسماعیل صفوی کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

2۔ شاہ عباس بزرگ کی زندگی اور کارناموں پر ایک مضمون لکھیے۔

3۔ صفوی عہد پر اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے اس کی تہذیب و ثقافت پر روشنی ڈالیے۔

8.7 تجویز کردہ کتابیں

1۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (دوم) : ثروت صولت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی

2۔ تاریخ اسلام (سوم) : مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، فیصل پبلیکیشنز، دہلی

۔:oOo:۔